


عہدہ و منصب

کا

حریص، رسوائی اور وبال کا طالب ہے



اس کتاب میں عہدہ طلبی کی مذمت، عہدہ کی نزاکتیں، قباحتیں، ہلاکت خیزیاں، موجودہ زمانہ میں اس مرض کا عام شیوع، اس کے دینی ودنیوی نقصانات، اور پھر صالحین ونیک سیرت لوگوں کا اس سے احتراز واحتیاط، وغیرہ امور کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات، اور اسلاف کے ارشادات وواقعات کی روشنی میں مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز

حبیب الامت حضرت مولانا ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ



خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

عہدہ ومنصب

کا

حریص، رسوائی اور وبال کا طالب ہے

اس کتاب میں عہدہ طلبی کی مذمت، عہدہ کی نزاکتیں، قباحتیں، ہلاکت خیزیاں، موجودہ زمانہ میں اس مرض کا عام شیوع، اس کے دینی ودنیوی نقصانات، اور پھر صالحین ونیک سیرت لوگوں کا اس سے احتراز واحتیاط، وغیرہ امور کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات، اور اسلاف کے ارشادات وواقعات کی روشنی میں مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

﴿خلیفہ ومجاز بیعت﴾

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا حکیم ذکی الدین صاحبؒ پرنامبٹ

خلیفہ ومجاز مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ

خلیفہ ومجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

اگر کوئی نیکی کا طالب اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کتاب کو منتقل کرنا چاہے تو اجازت ہے۔

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عہدہ ومنصب کا حریص، رسوائی اور وبال کا طالب ہے

مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپیوٹر و کتابت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبد اللہ علاء الدین قاسمی

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔144

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کے پتے

☆ قاری عبد العلاّم صاحب، C-178 تیسری منزل نزد چاند مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی۔95)

☆ حاجی عبد الغنی صاحب، A-330 نزد مرکزی جامع مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی۔95)

☆ قاری مطیع الرحمٰن صاحب، اتوار بازار، نزد مدینہ مسجد، اگر نگر مبارک پور، (نئی دہلی)

☆ محمد اسلم و حافظ عبد العزیز صاحب، چمن جنرل اسٹور 1981 گلی قاسم جان بازار لال کنواں، نزد ہمدرد دواخانہ (دہلی-6)

Mobile:

Abdullah: 7654132008-Q . **Abdul Allam:** 9818406313

H. Abdul Gani : 9811542512 **Md Aslam:** 9250283190

H. Abdul Aziz: 9811626704 **Q. Mutiur Rahman:** 8882919635

Email: Abdullahdbg1994@gmail.com

فہرست

عناوین صفحات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

مال و منصب تا کسے آرد بدست
طالب رسوائے خویش او شد است

خداوند قدوس نے قرآن شریف کے آغاز میں پہلی سورۃ سورۂ فاتحہ میں الحمد للہ، فرما کر بندے کو یہ تنبیہ فرما دی، کہ تمہارے اندر جو بھی اور جس نوع کا بھی کمال اور لیاقت ہے وہ تمہارے خالق و مالک اللہ کی جانب سے ہے، لہذا تم سے اگر کسی کمال وصلاحیت کا ظہور ہوا ہے، یا ہو رہا ہے تو وہ محض اس کے فضل وعنایت کا کرشمہ ہے، اسی کا احسان وانعام ہے کہ تم سے یہ عمل صادر ہوا، اور تم اس کی مخلوق میں محبوب ومقبول، یا مشہور ہوئے، تم امیر ہوئے، تو اسی کا احسان ہے، تم نیک بنے تو اسی کا احسان ہے، تم عقلمند ہو تو اسی کی قدرت ہے، تم قائد ہوئے تو اسی کی کرم فرمائی ہے، تم اگر عالم ہوئے تو اسی کا انعام ہے، تم اگر صاحب حسن و جمال ہو تو اسی کی بہترین صناعی ہے، الغرض ہر وہ کمال جس کے تم مظہر ہو اسی کی عطا ونوال ہے، اس کی توجہ اور لطف وکرم کے بغیر تم اپنی کسی بھی صفت کمال کے حامل نہیں ہوئے، اس لیے جب تمہاری کوئی تعریف کرے، یا تمہارا کہیں اعزاز واکرام ہو تو، اپنے کمال کو اللہ کی طرف منسوب کرو، اپنی ہر قابلیت وصلاحیت کو اللہ کی جانب منسوب کرو، اور فوراً پورے درد واخلاص سے کہو الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ، تعریف میری کیا ہے؟ اصل تعریف تو اللہ کی ہے، حقیقی تعریف تو اللہ ہی کی ہے، جس کے فضل سے میرے اندر یہ کمالات وخوبیاں پیدا ہوئی ہیں، مجھے اس نعمت اور کمال کی ضرورت تھی اور اللہ کی مصلحت تھی اس نے مجھے عطا کر دیا، اور میرے اندر اس کو ظاہر فرما دیا، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر تمہارا ''ازلی دشمن

شیطان رجیم'' جو تمہارے نفس کا ہمیشہ شکاری رہتا ہے بہت ہی باریک اور لطیف راستوں سے تم پر ایک لاکھ اسی ہزار کی اسپیڈ سے نہایت شیریں، مگر ظلمت آمیز حملے شروع کر دے گا جس کی تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی، پھر تمہارے اندر سے ایک خوبی کی جگہ دسیوں عیوب کی شاخیں پھوٹ پڑینگی، تمہارے ظاہر و باطن سے نخوت و تکبر بھی ظاہر ہوگا، اور حسد و بغض بھی، حرص و طمع بھی، اور جاہ و شہرت کی ہوس بھی، وغیرہ وغیرہ، اس لئے بجائے اپنی ذات کی ستائش اور پرستش میں غرق ہونے کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ! اور اس سے عرض کرو کہ یا الٰہی! ہم تیری ان مخلوقات کی غلامی نہیں کریں گے، اور نہ ہی ان پر اپنی نظریں گاڑیں گے، بلکہ ہم تیری ذات پر نگاہ رکھیں گے، اور تجھ سے ہی زندگی کی ہر شے میں اور ہر موڑ پر مدد طلب کریں گے، تجھ سے ہی نعمتوں کے طالب ہوں گے، اور تجھ ہی سے فریاد کریں گے، تیری نصرت و مدد اور نظر عنایت کے بغیر میرے پاس نہ کوئی چیز رہنے والی ہے اور نہ میرے اندر کوئی خوبی، یا کمال باقی رہنے والا ہے، ہر شئ کا مالک تو ہے، ہر چیز کا سرپرست حقیقی تو ہے، لہذا اے اللہ! مجھے سیدھے راستے پر رکھ، وہ سیدھا راستہ جو انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام، اور اولیائے کرام، اور تیرے نیک و محبوب بندوں کا ہے، جس پر چل کر، اور جس پر قائم و دائم رہ کر، وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہوئے تھے۔

یا اللہ! ہم نالائق ہیں، اپنی کتاب مقدس قرآن پاک، جس میں شک و شبہ کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں، اس سے محبت عطا فرما! اور اس کے نور ہدایت سے میری ظاہری و باطنی تمام صفات کو منور فرما! اور اپنے مؤمن و صالح بندوں میں شامل فرما ۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

ناظرین کرام! جو لوگ مذکورہ نصیحت پر عمل نہیں کرتے وہ درحقیقت ہدایت کے بعد گمراہی کے سودائی، اور سعادت کے بعد ضلالت کے متلاشی ہیں، جن سے نہ معاشرہ کی وفاداری متوقع ہے، نہ خدا کی وفاداری، بلکہ ایسے لوگ اصلاح کے بجائے فساد و وبال کے سودائی اور اس کے علمبردار ہیں، اور سچ یہ ہے کہ یہ خاموش خساروں میں گھرے ہوئے ہیں مگر انہیں ہوش نہیں۔

عہدہ، جاہ، مرتبہ، یہ تقریباً مترادفات ہیں، عہدہ، و مرتبہ کی طلب و جستجو انسان کی فطری چیز ہے، اس کی دلیل آپ ﷺ کی وہ دعاء ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيراً۔ یا اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنا دے۔ چنانچہ کوئی والدین کی نگاہوں میں محبوب بننا چاہتا ہے، کوئی بیوی کی نگاہ میں اپنا مرتبہ بڑھانا چاہتا ہے، کوئی بھائیوں کی نظروں میں فوقیت و سربلندی کا آرزومند ہے، کوئی اعزہ واقارب کی نگاہوں کا تارا بننا چاہتا ہے، کوئی محلہ میں سرخرو ہونا چاہتا ہے، کوئی سماج میں ہر دل عزیز رہنا چاہتا ہے، کوئی پورے گاؤں کا مالک بننا چاہتا ہے، کوئی شہر کا رئیس بننا چاہتا ہے، کوئی حاکم بننا چاہتا ہے، کوئی ملک کا بادشاہ بننے کے لئے ہزار جتن کرتا ہے، مگر حصول و مرتبہ وعزت کے اسباب اور طریقے وہ نہیں اور نہ صحیح ہیں جنہیں عام طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔

اسلام میں عزت وجاہ کی دولت ایک ضمنی شئ ہے جو اپنی اصل کے تابع ہے، قرآن شریف میں یہ اصل الاصول اس طرح بیان ہوا: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (سورۂ مریم)

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے بہت جلد اللہ تعالی انہیں محبت عامہ عطا فرمائیں گے، یہی وہ محبت الٰہی کی دولت ہے جو آسمان و زمین اور سارے عالم میں انسان کو عزیز اور عظیم بنا دیتی ہے، اسی محبت خداوندی سے قدر و منزلت، عزت وجاہ اور مرتبہ و مقام کے چشمے پھوٹتے اور سوتے نکلتے ہیں، جن سے دنیا و آخرت دونوں میں کامیابیاں اور راحتیں نصیب ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ عزت و مرتبہ کے حصول کے لیے جتنے بھی اسباب و وسائل اختیار کئے جاتے ہیں وہ سب باطل بھی ہیں، اور عارضی بھی، اور ان سے عزت تو البتہ نہیں ملے گی، کرسی، حکومت، بادشاہت اور شہرت مل جائے گی، اور یہ سب سستی، وقتی، اور ہوائی شہرت ہے، جسے غافل انسان عزت سے تعبیر کرتا ہے، اسلئے کہ یہ جھوٹی اور حقیر عزت نفسانی، خیالی، اور شیطانی ہوتی ہے، اور نفس وشیطان کی طرف سے پیدا ہونے والی چیزوں میں نہ کوئی رونق ہے، نہ برکت، اور نہ کوئی پائیداری۔

عہدہ کا طالب بھی درحقیقت گمراہی وتباہی کا ہی سودائی ہے، اس لئے کہ یہ بندۂ اغراض ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف عہدہ طلبی سے منع فرمادیا، اور یہ ارشاد وتنبیہ فرمادی کہ ہم عہدہ اس شخص کو نہیں سونپیں گے جو اس کا طالب ہوگا۔ معلوم ہوا کہ عہدہ کی طلب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک میں بری بات ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں عہدہ کی طلب وچاہت اور اس ناپاک خواہش کی ایسی ہوڑ لگی ہوئی ہے، اور ایسی ہنگامہ آرائی وگرم بازاری ہے کہ ہر چھوٹا بڑا اس کا دیوانہ ہوگیا ہے، بقول مولانا ظفر خاں صاحب مرحوم کے ؎

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

عہدہ طلبی کا مرض اس قدر خطرناک حد تک بڑھ گیا ہے کہ ہر شخص، ہر جگہ، ہر چیز میں جاہ و منصب کا طامع وحریص ہوتا جارہا ہے، نہ مساجد محفوظ ہیں، نہ دینی درسگاہیں، نہ اجتماعی محفلیں، اس سے مستثنی ہیں، نہ خصوصی مجالس ومحافل، آج ہماری قوم اور معاشرہ کے فساد وبگاڑ کا ایک اہم اور بڑا سبب اور عنصر یہی جاہ طلبی اور عہدہ طلبی کا فکر ونعرہ ہے، ہمارے محلے، قبیلے اور پوری کی پوری سوسائٹی میں سارے جھگڑے اسی جاہ وعزت کی خاطر ہیں، ہر شخص اس کا متمنی ہے کہ اسے کوئی معاشرہ میں مقام مل جائے، وہ قوم کا ہیرو بن جائے اور سارے لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے آجائیں، چاہے اس کے لیے جس زر، زور، اور طاقت کو صرف کرنے کی ضرورت ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے، دس جتن سے بھی اگر سماج میں کوئی مرتبہ مل جائے تو اس کے لئے حتی الامکان سعی اور تگ ودو کی جائے، حالانکہ یہ سراسر ناکامی وتباہی کی تلاش ہے، مگر کیا کہا جائے، شیطان دوست نے اسے نہایت لذیذ بنادیا ہے، اور شیطان کا غلام جو اندر بیٹھا ہوا نفس ہے وہ رہ رہ کر اسے مضطرب اور بے

چین کیسے رہتا ہے کہ تجھے موقع ملے گا تو ایسے ملے گا، تو مرتبہ پائے گا تو راستہ یہ ہے، تو قوم کے سرداروں کو اپنی طرف مائل کر لے، تو اتنے اتنے پیسے خرچ کر ڈال، تو ایسی ایسی پارٹیاں منعقد کر، تو ایسے ایسے جلسے منعقد کر، تو عالی شان اور بے مثال بلڈنگیں و بنگلے بنا لے، تو سب سے قیمتی گاڑی کا مالک بن جا، وغیرہ وغیرہ۔

جدھر دیکھئے ہر شخص اقتدار کی ہوس کے لیے اندھا بنا ہوا ہے جو کچھ گھر میں ہو رہا ہے میری مرضی سے ہو، جو محلے کی مسجد میں نظام چلے وہ میری نگرانی میں چلے، جو گاؤں میں جلسہ ہو میری صدارت میں ہو، ہر جگہ اور ہر کام میں مجھے ہی پکارا جائے، مجھے ہی ترجیح دی جائے، میرے ہی لوگ امر و اشارہ کی اتباع کریں۔

ہر شخص کو اس کی عقل بے لگام نے گویا ہول دلی میں مبتلا کر دیا ہے کہ بس لوگ اسے مانیں، اس کی پوچھ ہو، وہی سب کا سردار رہے، یہ مرض دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، اور سماج کے مخلص افراد بھی اس فساد کی باڑھ کو روکنے سے گریزاں اور مایوس ہیں، ہر شخص اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھے کہ کیا وہ اس کا اہل ہے، اور اہل ہے تو پھر عہدہ طلبی کے مرض میں کیونکر مبتلا ہے؟ یہ تو خود نااہلی کی علامت ہے، اہل اور مستحق تو وہ ہے جنہیں بوڑھے، اور جوان، عورتیں، اور بچے سب یک زبان دل سے مان لیں، کیا سماج میں آج تک کسی ایسے شخص کو جو خود اپنی بڑائی کی ڈفلی بجاتا ہے، بھلے اس کے اندر صلاحیتیں ہی ہوں، اسے عزت وفوقیت اور برتری وسرداری دی گئی ہے؟ ہر گز نہیں عزت وفوقیت اللہ کی جانب سے آسمان سے اترتی ہے، وتعز من تشاء وتذل من تشاء۔ اللہ جسے چاہتا ہے عزت واقتدار عطا کرتا ہے، اور جس سے ناراض ہوتا ہے اسے ذلت سے دوچار کر دیتا ہے، سب سے بڑی عزت اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے، اس سے بڑھ کر ایک مومن کے لئے کوئی دولت نہیں، اسی سے وہ دونوں جہاں کا راج دلارا ہوگا، اسی سے وہ عزت واقتدار سمیت تمام نعمتوں کا مستحق ہوگا۔

اسلام میں عہدہ کو امانت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں، عظیم ذمہ داری، اسی

لیے صحابہ کرامؓ اس بوجھ کو سر پر لینے سے گریز فرماتے تھے، کیونکہ ان کے یہاں بندگان خدا کی کوئی بھی ذمہ داری امانت کے مانند تھی، اولاً تو کوئی صحابیؓ عہدہ کا خواہش مند نہیں ہوتا تھا، لیکن اگر کسی کو کوئی عہدہ سونپا جاتا تو اس کو عبادت کی طرح نباہتا تھا۔

آج کے دور میں عہدہ حاصل کرنے کے بعد ننانوے فیصد لوگ تجارت، ریاست، اور شرارت شروع کر دیتے ہیں، اسی لئے حدیث شریف میں صاف صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ ریاست وسرداری طلب مت کرو، جو خود سے اسے طلب کرے گا خدا کی مدد سے وہ محروم ہو جائے گا، اور جسے لوگ عہدہ پر بخوشی بٹھائیں گے اللہ کی طرف سے اس کی مدد ہوگی، اور فرشتوں کی طرف سے لازمی تعاون حاصل ہوگا۔

ہمارے زمانہ میں مسلم معاشرہ میں کتنے ایسے افراد ہیں جو اپنے بڑوں کی اس راہ کو اختیار کرتے ہیں، میرے خیال میں ایسے لوگ ہماری سوسائٹی میں نہ کے برابر ہیں، جو خود کو یہ سمجھتے ہیں کہ سماج میں کوئی عہدہ لینا مخلوق خدا کی خدمت ہے، اور خدمت ہی عبادت ہے، اگر واقعۃً کوئی سماج، گاؤں، یا محلہ، ایسا ہو جہاں عہدہ پر فائز ایسا شخص ہو جو اپنی ذمہ داری میں مخلص ہو، اور جو اپنے عہدہ کو عبادت کے آئینہ سے دیکھتا ہو تو وہ صحیح معنوں میں اس کا مستحق اور اہل ہے اور ایسا محلہ اور ایسی سوسائٹی یقینا پر امن اور بابرکت ہے، مگر اس طرح کی آبادیاں برائے نام ہیں۔

مشکل کی بات یہی ہے بلکہ یہ ایسی تلخ حقیقت ہے جس کا ہم روزمرہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ مخلص افراد کو تیار کرنے کا ہمارے معاشرے میں کوئی انتظام بھی نہیں ہے، نہ ہی کوئی فکر ولگن ہے، اگر کسی کو لگن ہے تو زبان پر یا دل میں، مگر عملاً کوئی اس میں سرگرم نہیں ہے، نئے نئے فتنے روز جنم لے رہے ہیں، گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس رہا ہے، اور اس کے مہلک اثرات اور نتائج بد، صبح وشام سامنے آرہے ہیں، فکر وتشویش کی بات یہ ہے کہ عہدہ طلبی کا یہ مرض جس تیزی کے ساتھ پھیلتا جارہا ہے ماضی قریب وبعید میں کبھی اور کہیں مسلم معاشرے میں نہیں دیکھا گیا، میرے خیال میں عہدہ طلبی

کا نظریہ اس امت کا ایک ''نیا فتنہ'' بن گیا ہے، جس کی لپیٹ میں عوام کے ساتھ ساتھ خواص بھی آرہے ہیں، بلکہ اس وقت خواص کے بیشتر افراد اس فتنہ کا شکار ہیں، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ مرض خواص سے ہی عوام میں آیا ہے، بڑوں کو دیکھ کر چھوٹے بھی اس کھیل میں کود پڑے ہیں۔

اذاانت فی البیت بالطبل ضاربا

فلاتلو من الاولا دعلی الرقص

جب تم بڑے ہو کر طبلہ اور ڈھول بجاؤ گے تو بچے تو ناچیں گے ہی، لہذا تم بچوں کو ملامت نہ کرو۔

عہدہ اور سرداری کی یہ پالی اور لائی ہوئی بیماری کی خواہش ہر کس و ناکس کے دل و دماغ پر دن بدن چھاجاتا رہا ہے، جس کو دیکھو وہی بابو بننے کا خواب دیکھ رہا ہے، جس کو دیکھو وہی قائد بننا چاہتا ہے، ظاہر ہے ہر شخص قائد اور لیڈر تو نہیں بن سکتا، ہر شخص سماج یا گھر کا ذمہ دار اور راہبر نہیں بن سکتا، نتیجہ یہ ہوگا کہ جسے اقتدار و قیادت نہیں ملے گی وہ فساد و انتشار پیدا کرے گا، جس سے گھر سے لے کر سماج تک انارکی، اور بدامنی کا ماحول پیدا ہوگا، اور پھر از اول تا آخر سارا معاشرہ ہی انتشار کی آگ میں جھلستا چلا جائے گا، معاشرہ کے اس فساد و انتشار سے چراغپا ہو کر شاعرِ دلِ سوختہ نے بجا کہا ہے ؎

قبیلہ کو بکھرنا ہی تھا آخر

سبھی پاگل تھے سرداری کیلئے

گاؤں، محلہ، اداروں، اسکولوں، اور تمام جگہوں پر پھیلتے پھیلتے اب یہ فتنۂ جہاں سوز، مسجدوں میں بھی جا پہنچا ہے، کیا مسجد کا متولی اور سرپرست فاسق و فاجر شخص کا بننا صحیح اور مفید ہے؟ ہرگز نہیں، اس لئے کہ ایسے شخص سے نیکی اور عبادت کے نام پر شر ورو فتن کا طوفان اٹھے گا، یہ شخص مسجد کی رکھوالی اور نگرانی کی آڑ میں اپنی ناپاک سیاست کی دکان چمکائے گا، ایسا شخص مسجد کے ماحول کو بہتر بنانے کے بجائے ابتر اور غیر مامون بنا دے گا، مسجد جو رحمت گاہ حق ہے اس کے خوشگوار ماحول کو زحمت و کلفت کے رنگ میں رنگ دے گا، اسی لئے قرآن پاک نے ایسے شخص کو ظالم کہا ہے، سورہ

بقرہ میں ہے:وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا۔اس سے بڑا ظالم کون ہے جو لوگوں کو مسجد میں ذکر وعبادت کرنے سے روکے اور اس کی ویرانی میں سعی کرے،آج جو لوگ اچھل اچھل کر مسجد کا ممبر بننا چاہتے ہیں، یا سکریٹری وخزانچی بننے کی خواہش کرتے ہیں اور اس کے لیے طرح طرح کے وسائل بھی اختیار کرتے ہیں، کیا وہ اس آیت کی وعید کے مستحق نہیں ہوں گے، یقینا ایسے لوگ جو خانۂ خدا میں عہدہ طلبی کے لیے آتے اور لڑتے ہیں وہ ظالم ہیں، مسجد کا حرمت وتقدس ان کے ہاتھوں سے کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی چیز میں ضرور پامال ہوتا ہے،آج اس طرح کے افراد کی نحوست سے مسجدوں کا امن غارت ہونا شروع ہو گیا ہے،اور مسجدیں ویرانیوں کی تصویر بنی ہوئی ہیں، کیونکہ ایسی صورت میں ظلم وطغیان اور معصیت و شرارت کی بدبو سے روحوں کو بے چینی، اور دلوں کا ظلمت وبے اطمینانی سے دوچار ہونا بدیہی امر ہے،اس لیے مسجد کی ذمہ داری کا کام ایسے افراد کے سپرد کیا جائے جو اس کا اہل ہوں،غیر صالح کی جگہ صالح اور مخلص ولائق افراد کو مسجد کا عہدہ دیا جائے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں طالب عہدہ ہی برا ہے تو پھر اس کو حاصل کر کے اس کی آڑ میں شرارت ونفاق اور ظلم وظلمت کا بیج بونے والا ظالم نہیں ہوگا تو کون ہوگا،اس لئے جس کو مسجد کے عہدہ سے لالچ ہوا سے چاہیے کہ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ اور قرآن پاک کی اس آیت میں اچھی طرح غور کر لے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنما الأعمال بالنيات ۔اگر جائز اور اچھے کام ثواب کی نیت سے کئے جائیں تو ثواب ہے،اور بری نیت سے کئے جائیں تو گناہ ہے۔

عہدہ لینا یا اس پر فائز ہونا اگر جائز ہو بھی جائے تو بھی ایک اہم مرحلہ ''صحت نیت'' کا ہے، شروع میں اگر نیت صحیح ہو تو بھی خطرہ برقرار ہے کہ کہیں بعد میں فتور نہ آ جائے،اور غفلت کی بنا پر اکثر ایسا ہوتا ہے،لہذا ایک مومن بندہ کو چاہیے کہ عہدہ کی طلب اور اس کی تمنا سے خود کو دور رکھے، اللہ کو منظور ہوگا تو وہ خود ہی اس پر فائز فرما دے گا۔

اسی طرح حکام، اہل مدارس، اور خانقاہوں کے ذمہ داران کو چاہیے کہ اس فتنہ پر آشوب پر خود بھی غور و تامل سے کام لیں اور امت کے تمام افراد کو اس کی نزاکتوں سے واقف کرائیں، سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے درمیان آپس میں جتنے بھی اختلافات اور تنازعات ہیں ان کی جڑ میں اسی گمراہ کن فتنہ کی کارستانیاں ہیں، خصوصاً علمائے کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس فتنہ کو پالنا چھوڑ دیں تو بہت جلد امت کے اندر سے بھی یہ فتنہ رخصت ہونا شروع ہو جائے گا، کیونکہ امت کے قائدین دراصل علماء ہی ہیں، ہر شخص دوسرے کو تنبیہ کرنے سے پہلے خود کو تنبیہ کرے، دوسرے کی مذمت سے پہلے اپنے نفس کی مذمت کرے، خود عہدہ پر حاوی ہونے کے لیے پریشان ہیں اور دوسرے کیلئے اس کو برا سمجھتے ہیں، جو چیز دوسرے کے لئے عیب ہے، کیا آپ کے لئے وہ عیب نہیں ہے؟ خدارا ہر عالم، ہر مفتی، ہر حافظ اور قاری اور ہر باصلاحیت اور صاحب نعمت مسلمان کو چاہئے کہ اس فتنہ میں گرنے سے خود کو روکے۔

آج امت کا یہ بڑا المیہ ہے کہ طلب عہدہ کے راستہ سے ہر شخص اپنے لئے ذلت، معصیت، اور اضطراب و بے چینی کا خوگر ہو چکا ہے، فرعون نفس آدمی کو شیطان نے ایسا بے ہوش کر رکھا ہے، اور نچا نچا کر بے حال کر رکھا ہے کہ اس زہر آلود اور خاروں سے گھرے ہوئے مرتبہ اور عہدہ کو حاصل کر کے ہی وہ دم لینا چاہتا ہے، تجربہ شاہد ہے کہ جس کے بھی دل میں عہدہ کا خیال انگڑائیاں لیتا ہے، اس کا یہ خیال اسے بے کلی واضطراب کی گلیوں میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے، اور ابلیس چونکہ تاک میں رہتا ہے، اس لیے وہ نفس کو بار بار اور مسلسل ابھارتا ہے کہ چاہے جس طرح بھی ہو یہ عہدہ تم ہی لے لو، تمہیں شہرت بھی ملے گی، عزت بھی حاصل ہوگی، اور سارے معاشرے پر تمہارا رعب و دبدبہ بھی قائم ہو جائے گا، پھر شیطان ہر نامناسب اور ناجائز ہتھکنڈوں اور حربوں کو اس کی نگاہ میں جائز قرار دے دیتا ہے، اور آخر اسے عہدہ کی آزمائش گاہ پر لے جا کر چھوڑ دیتا ہے، الغرض عہدہ کے

حصول کے لیے جو لوگ منصوبے بناتے ہیں درحقیقت ان کی رہنمائی شیطان ہی کرتا ہے، جو نفس کو بار بار اطلاع اور یقینی اطلاع دیتا ہے کہ تم ہی اس کے اہل ہو، یہ مقام ومرتبہ تمہارے علاوہ کسی کو زیب نہیں دیتا، بڑے بڑے علامہ، اور ولیوں تک کا یہ پیچھا کرتا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حب جاہ کا یہ رذیلہ اولیاء اللہ کے دلوں سے سب سے آخر میں نکلتا ہے۔ حضرت کے اس ملفوظ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب اولیاء اللہ کی یہ حالت ہے تو غیر اولیاء اور مطلق علماء کرام اور بندگان خدا کی کیسی حالت ہوگی، اس لئے ہر صاحب علم اور نیک مسلمان کو یہ بات اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ عہدہ طلبی اور منصب کی خواہش آدمی کی بری صفات اور رذائل میں سے ایک بڑا رذیلہ اور عیب ہے، لہٰذا اس کے ازالہ کی تدبیر کرنی چاہئے، یا اس سے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، جو ایسا کرے گا وہ کامیاب وسعادتمند ہے اور جو اس کا شکار ہوگا وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوگا، بلکہ دنیا اور آخرت دونوں میں اسے نقصان ہوگا۔

عہدہ طلبی اگر اچھی چیز اور اچھی صفت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کے طالب کو عہدہ دینے سے کیوں انکار فرماتے، آپ نے نہایت غضب اور غصہ کی حالت میں فرمایا تھا کہ ہم عہدہ اس شخص کو نہیں دیں گے، جو اس کا خواہشمند ہوگا، اور جو اس کے لئے قتال کرے گا، ہم اس سے قتال کریں گے۔

ایک مسلمان کی شان وعزت اور کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے، اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بوجھ کر اتباع کرنے سے کتراتا ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عدم تعمیل کے لیے کوئی تاویل کرتا ہے، تو وہ نفس کا غلام ہے، چاہے کوئی بھی ہو، کتنے ہی بڑے بزرگ، یا عظیم باپ کا وہ فرزند کیوں نہ ہو، آج ہندوستان کے زعماء، اور قائدین، اور ان کی جماعتوں اور تنظیموں کے افراد پر نظر ڈالیں اور ان کے ناقص و ناکام کرداروں اور کارناموں کا پورا پورا جائزہ لے کر دیکھیں تو ان میں شاید و باید ھی کوئی ایسی تحریک ہوگی جس کا قائد اور راہبر مخلص اور کامیاب ملے گا، اگر ہمارے سماجی اور ملی قائدین کے اندر اخلاص نیت ہوتا اور

اپنے اپنے مناصب پر من جانب اللہ فائز ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیئے ہوتے تو وہ نوبت نہیں آتی جو آج امت کے سامنے ہے، عہدہ کی جنگ اور مناصب کی سرکشی کا کھیل کھیل کر موجودہ تحریکیں وجود میں آئی ہیں، اور آج تک اسی آپسی رقابت ونزاع کا شکار ہیں، جس کا نتیجہ جگ ظاہر ہے کہ نہ ان کا بھلا ہوا، اور نہ قوم کو کچھ ملا، اگر کسی تنظیم کے رہنما کو کوئی شہرت مل بھی گئی تو اس کا فائدہ اس کی ذات سے وابستہ ہے، امت کا کوئی بھلا نہیں ہوا ہے، بلکہ امت کو ان کی بدنیتی کی نحوست کی وجہ سے سراسر نقصان ہی ہوا ہے، دنیادار رہنماؤں کی عادتوں، حرکتوں، پروگراموں، منفی اثرات اور سلبی نتائج کی تقلید کر کے، اُنہیں کی طرح معاشرہ کو اِنہوں نے بھی بجائے فائدہ کے نقصان پہنچایا، بجائے ہدایت کے مزید گمراہیوں میں خود کو اور قوم کو ڈھکیل دیا، اور وہ تمام رذائل اور صفات بد جواُن میں تھیں اِن کے اندر بھی آ گئیں، جس کے نتیجے میں قوم میں نہ کہیں اتحاد واتفاق ہے، نہ کہیں مودت ومحبت، نہ آپسی بھائی چارہ ہے، نہ ہمدردی اور شفقت وانسانیت، ہر جگہ، ہر گھر اور ہر محلہ، ہر مسجد ومحفل، ہر تنظیم، ہر ادارہ، میں انتشار ہی انتشار پھیل چکا ہے۔

دلوں میں فاصلے اور سینوں میں تنگیاں پرورش پا رہی ہیں، اور پورا معاشرہ بداخلاقی، اور غیر انسانی صورتحال کی آگ میں جل رہا ہے، اور اس آگ کو بجھانے کے بجائے مزید اس میں نفرتوں اور عداوتوں کا تیل ہی ڈالا جا رہا ہے، جس سے پورا کا پورا مسلم معاشرہ تباہی کی ایسی منزل پر پہنچ چکا ہے کہ بڑے بڑے اہل عقل وفکر کے ہوش وہواس گم ہیں۔ اس صورتحال سے نجات پانے کی صرف دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ معاشرے کے تخریب وانتشار اور بگاڑ کے اسباب پر غور کرنا، اور دوسری ان کے ازالہ کی تدبیریں کرنا۔ نجات کا وہی راستہ اپنانا ہوگا، جس کی رہنمائی خود اللہ تعالیٰ اور آپ کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (سورۂ حشر)

اللہ اور اس کے رسول جو عطا کریں لے لو، اور جس سے روک دیں رک جاؤ۔ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بعد تم بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے، (لہذا تم ایسی صورت میں پریشان مت ہونا) بلکہ کتاب اللہ اور میری سنت کو مضبوطی سے پکڑ لینا، تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ اس آیت وحدیث پاک پر کب عمل ہوگا؟ ان کا صرف عقیدہ اور ایمان سے تعلق ہے، یا شب وروز کے جملہ اعمال ان سے متعلق ہیں؟ ظاہر ہے تمام اوقات، تمام لمحات زندگی، اور زندگی کے تمام شعبوں سے ان کا تعلق ہے، تو پھر عہدوں کے انتخاب کے وقت آپ ﷺ کے حکم وفرمان، اور سنت وصحیح طریق کو کیوں نہیں اختیار کیا جاتا، ان کی روشنی میں ہم اپنا فیصلہ نفع وضرر کیوں نہیں کرتے، اس لئے کہ ہم نفس کے بندہ ہو چکے ہیں، خدا کے بندے نہیں رہے، تھوڑے دنوں کے لئے نفس کو چھوڑ کر اللہ کے نبیؐ کے طریقہ کو اپنا کر دیکھیں، خدا کی قسم آپکو بہت نفع ہوگا، آپ کو صحیح راستہ اور کامیاب منزل مل جائے گی، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو خود بھی بھٹکیں گے، اور سارے معاشرے کو تباہی کی دلدل میں گرا دیں گے، جس کا آج ہر جگہ عام مشاہدہ ہے اگر ہمارے دل میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی وقعت نہیں ہوگی، تو پھر کیوں اللہ تعالی کی نگاہ میں ہماری وقعت ہونے لگی، اور جب اللہ ہی کی نگاہ میں ہماری وقعت نہ رہی، تو پھر آگے کا ہے کی عزت کیسا مرتبہ؟ اور کیسا عہدہ؟ سب تباہی ہے، برسہا برس کا مشاہدہ یہی ہے۔ اس لئے امت مسلمہ کے خاص وعام سے گزارش کروں گا اور نہایت دردمندی کے ساتھ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ عہدہ طلبی کی بلاء سے خود کو نجات دلائیں، اور خدارا دین کی آڑ میں دنیا کی عزت وشہرت ہرگز کمانے کی فکر نہ کریں، بلکہ عہدہ پر اسی طریقہ پر فائز ہوں اور دوسروں کو بھی فائز کریں، جو طریقہ آپ ﷺ نے سکھلایا، اور جس کی آپ نے تعلیم دی ہے، یاد رکھیں! قوم کا سردار، قوم کا نوکر ملازم اور خادم ہوتا ہے، نہ کہ قوم کا متکبر، خودغرض، اور مفاد پرست راہبر، اور ہیرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سید القوم خادمھم۔ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔

آج کتنے راہبر اور نمائندہ ہیں جو صدق دل سے عوام کی خدمت کرتے ہیں، ہر وہ شخص قوم کا متکبر لیڈر، مفاد پرست وخود غرض رہنما بنا ہوا ہے، جس کا رویہ بجائے خدمت کے قوم کے ساتھ نخوت وتکبر اور تحقیر و تذلیل، لوٹ کھسوٹ اور مطلب برآری کا بن چکا ہے، ایسی صورت میں یہ رہبری ہوئی یہ سراسر گڑبڑی ہوئی، اس لئے جس شخص کو عہدہ پر فائز ہونے کا ارادہ ہو اسے چاہیے کہ اس حدیث پر خوب سنجیدگی سے غور کرے، اور اس کا تفصیلی علم حاصل کرے، اور عاجز کی اس کتاب کو اصلاح کی نیت سے پڑھے، اور ہدایت کے طریق کو اپنائے۔

ہر وہ شخص جو ذرا بھی عہدہ کے حصول کے لئے پہل کرتا ہے وہ تین حالتوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں، یا تو عہدہ سے اس کا مقصود عزت ہے، یا حکومت، یا پھر مال سمیٹنا، کوئی پہلے کا طالب ہے، کوئی دوسرے کا خواہشمند ہے، تو کوئی تیسرے کا طلبگار ہے، میں تو کہتا ہوں ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں کوئی شخص ہوگا جو تینوں میں سے کسی کا بھی طالب نہ ہو، یہاں سے واضح ہوگیا کہ صاف اور نیک نیت مسلمان عہدہ کیلئے پہل کرے گا ہی نہیں، جیسا کہ ہمارے اکابر ومشائخ کی نیک سیرت رہی ہے، محدثین کرام، ائمہ اربعہ، اور ہمارے جملہ اسلاف اسی نیک طبیعت اور پاک باطن پر ہمیشہ قائم تھے، خود ہمارے اکابر واسلاف دیوبند کی تاریخ ماضی قریب تک کی یہی بتلاتی ہے کہ ان حضرات کے یہاں منصب وعہدہ کو مجموعۂ فتن ومحن سے تعبیر کیا جاتا تھا، حتی الامکان ان کی کوشش اس سے احتراز کرنے اور بچنے کی ہوتی تھی، اپنے ایمان ودین کے تحفظ اور خدا کی رضا و خوشنودی کی فکر ہر وقت اور ہر جگہ ان کے ذہن ودماغ، قلب وجگر اور جسم وروح پر مستولی اور چھائی رہتی تھی، یہی وہ عظیم نعمت اور بڑا سبب تھا جس نے ان حضرات میں سے ہر ایک کو دین وملت کا چراغ ہدایت اور شمع فروزاں بنا دیا تھا، جن کے وجود سے ظلمت کدۂ ہند میں ہدایت وخیر کی روشنی پھیلی، جن کے دم قدم سے کائنات کے چپہ چپہ میں اسلام کا نور پھیلا اور اخلاق وانسانیت کی قندیلیں روشن ہوئیں، جن کے ظاہر و باطن کی حقانیت وصداقت کی لوگ قسمیں کھاتے اور جن کے وجود مبارک کو اپنے لئے سعادت ورحمت سمجھتے تھے، آج جب کہ وطن وملک کے ہر گوشے، اور ہر

علاقہ میں نت نئے فتنوں کی ظلمتوں کے مہیب سائے پھیلتے جا رہے ہیں، ہر طرف ضلالت و جہالت کی آندھیاں چل رہی ہیں، ایسے چراغوں کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ رہی ہے، اور امت کو ایسے افراد کی ضرورت دن بدن بڑھتی جارہی ہے، جس سے قوم وملت کی رہبری اور نمائندگی ہو، جن کی توجہات اور محنتوں سے قوم وملت کی پستی وابتری کا ازالہ اور جہالت وگمراہی سے رستگاری کا سامان ہوسکے، اور فتنوں کی آگ میں لپٹی ہوئی مساجد، اور مدارس، اور قومی ودینی مجالس ومحافل کو نور اخلاص اور ایمان حقیقی سے دوبارہ آباد کیا جاسکے۔

ناظرین کرام! اپنے دل سے عہدہ کی لالچ کو نکالدیں، اور آپ کی نگاہوں میں جو قوم کا صالح، معتبر، امین، عادل، مخلص اور وسیع اخلاق کا حامل شخص ہو اسی کو عہدہ سپرد کرنے کا مزاج بنائیں، ان شاء اللہ، اللہ آپ کو خود عزت دے گا اور جسے خدا عزت عطا کرے اس سے بڑا عہدہ کوئی نہیں۔

ہر کہ ترسد از حق وتقویٰ گزید
ترسد از وے جن وانس وہر کہ دید

اس کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قولی وعملی ارشادات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، اور اسلاف امت کے روشن صفات وکردار کے ذریعے ان تمام لوگوں کو جو آج کل عہدہ کے اس تباہ کن فتنہ کیلئے سر مارتے، سرگرداں رہتے اور سرکشی میں مبتلا رہتے ہیں، آئینہ دکھایا گیا ہے، غور سے پڑھیں اور عبرت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کتاب کو قبول فرما کر ذریعۂ نجات بنائے۔ (آمین)

(حضرت مولانا) **محمد علاء الدین صاحب قاسمی**

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

۱۷/محرم الحرام، ۱۴۴۲ھ، بروز جمعہ، مطابق/ ۲۷، اگست، ۲۰۲۱ء

عہدہ باعث اعزاز ہے، مگر کوتاہی پر روز قیامت باز پرس بھی ہوگی

ہمارے معاشرے میں عام طور سے کسی عہدے اور منصب پر فائز ہونے کو بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے، ایک حد تک یہ بات درست بھی ہے، مگر یہ عہدہ ومنصب باعث عزت وافتخار اس وقت ہے جب صاحب منصب اپنی ذمہ داریاں بخوبی اور احسن طریقے سے ادا کرے لیکن اس کے برعکس اگر صاحب منصب کی طرف سے اس عہدے میں خیانت اور غفلت کا مظاہرہ کیا جائے تو یہی منصب اور عہدہ انسان کیلئے وبال جان بن جاتا ہے اور اس مصیبت میں گرفتاری نہ صرف دنیا میں رہتی ہے بلکہ قیامت میں بھی صاحب منصب سے عہدے اور اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، قرآن کریم میں بھی اس ذمہ داری کو امانت داری سے کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ۔ (سورہ النساء آیت نمبر ۵۸)

''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں اہل امانت تک پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارکوتعالی نے اس بات کی تلقین فرمائی ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس کے ذمہ یہ لازم ہے کہ امانت کو اس کے اہل ومستحق تک پہنچائے اور اس آیت میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ امانت کا لفظ جمع کے ساتھ آیا ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی ہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال رکھا ہو اس کو ہی امانت کہا جائے بلکہ اس کے علاوہ انسان پر عائد بے شمار ذمہ داریاں خاص طور پر حکومت کے جتنے عہدے اور مناصب ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں معزولی اور تعیناتی کے اختیارات ہیں، چنانچہ ان کیلئے ہرگز یہ جائز نہیں کہ عہدہ کسی ایسے افراد کے سپرد کریں جو اپنی

علمی یا عملی کارکردگی کے لحاظ سے اس کا اہل نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدے کے لحاظ سے اپنے دائرہ حکومت میں ایسے افراد تلاش کریں جو ان عہدوں اور مناصب کے مستحق ہیں البتہ اگر کوئی ایسا شخص میسر نہ آئے جو عہدے کی تمام شرائط پر پورا اترتا ہو تو ایسی صورت میں تمام لوگوں میں امانت داری اور قابلیت کے لحاظ سے جو موجودہ لوگوں پر فائق ہو اسے ترجیح دی جائے۔

عہدہ اور منصب پر اس کو بٹھایا جائے جو نیک بھی ہو اور عقلمند بھی

دوسری طرف سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امانت کی ادائیگی کی بہت تاکید فرمائی ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے ہیں بہت کم ایسا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو ''جسمیں امانت داری نہیں اسمیں ایمان نہیں، اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں''۔ (شعب الایمان)

اس کے برعکس اگر اس ذمہ داری میں کوتاہی برتی جائے اور عہدہ ومنصب ان لوگوں کے سپرد کیا جائے جو اس منصب کے اہل نہیں تو یہ بھی ایک عظیم خیانت ہے اور احادیث مبارکہ میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں بے شمار وعیدیں وارد ہوئی ہیں چنانچہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''منافق کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے''۔ (راوی ابو ہریرہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما بخاری ومسلم)

جو لوگ بددین اور بدتمیز کو عہدہ پر بٹھاتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے

ایک اور حدیث شریف میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی منصب پر غیر اہل شخص کو بٹھانے والوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

''جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص

کو محض دوستی و تعلق کی بناء پر بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اسکا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد ص ۵۲۳)

بعض روایات میں یہ ہے کہ ''جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا دوسرا شخص اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ سے خیانت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیانت کی اور سب مسلمانوں سے خیانت کی'' اسلامی تعلیمات جو کہ رہتی انسانیت کیلئے مشعل راہ ہیں اگر ان تعلیمات کے بنیادی عنصر یعنی امانت کو زندگی کے ہر موڑ پر پیش نظر رکھ کر معاملات کو طے کیا جائے خصوصا انتظامی معاملات عہدوں اور مناصب کی تقسیم میں اسکو بنیادی اہمیت دی جائے تو نہ صرف حکومتی نظام کو کافی حد تک بہتر بنایا جاسکتا ہے بلکہ معاشرے میں پائی جانے والی بیشمار خرافات اور سماجی برائیوں کا سدباب کرکے مستحقین کو ان کے حقوق باآسانی پہنچائے جاسکتے ہیں اس کے برخلاف اسلام کی ان بنیادی تعلیمات سے غفلت برتنے کے نتیجے میں معاشرے میں نت نئے مسائل اور سماجی برائیاں جنم لیتی ہیں اور نااہل لوگوں کے عہدوں قابض ہو جانے کے باعث بالاخر رفتہ رفتہ نظام حکومت مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے، آج معاشرے میں جہاں کہیں بھی نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب ان روشن تعلیمات کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ علمی اور عملی قابلیت کو نظر انداز کرتے ہوئے محض تعلقات اور سفارشوں کی بنیاد عہدے اور مناصب تقسیم کئے جاتے ہیں، سفارشی کلچر نے اداروں کو تباہی کے دہانے لاکھڑا کیا ہے، جس سے ادارے ہر گزرتے دن کے ساتھ بجائے ترقی کرنے کے بجائے خساروں کی دلدل میں دھنس رہے ہیں، اشرافیہ قابلیت اور صلاحیتوں کو ترجیح دینے، عہدوں کو میرٹ پر تقسیم کرنے اور امانت و دیانتداری کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سفارشوں اور تعلقات پر اکتفاء کئے ہوئے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہل اور قابل لوگ روزگار کے بہتر مواقع نہ ہونے کی وجہ سے غلط راہوں کا تعین

کر کے ملک دشمن عناصر کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، جس سے نہ صرف وہ اپنے آپ کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتے ہیں بلکہ ملک وملت کیلئے بھی ناسور بن جاتے ہیں۔

نبی کریمؐ نے عہدہ کی طلب اور اس کی خواہش سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے

اسلامی مزاج کے مطابق عہدہ واقتدار کی طلب پسندیدہ چیز نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

یاعبد الرحمٰن بن سمرة ! لتسال الامارة فانک اعطیتها من غیر مسئلةٍ اعنت علیها وان اعطیتها عن مسئلةٍ وکلت الیها۔(متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب الامارۃ، صفحہ ۳۲۰)

ترجمہ: ''اے عبدالرحمن بن سمرۃ! عہدہ کی طلب مت کرو، ہاں اگر تم کو بلا طلب عہدہ مل جائے تو پھر اللہ کی نصرت تم پر نازل ہوگی، اور طلب وخواہش کے بعد کوئی عہدہ حاصل کرو گے تو اس کے ذمّہ دار تم خود قرار پاؤ گے''۔

عہدہ کے طالب کو آخرت میں حسرت اور ندامت کا منہ دیکھنا پڑے گا

حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انکم ستحرصُون علی الامار ة وستکون ندامة یوم القیٰمة فنعم المرضعة وبئست الفاطمة۔(رواہ البخاری، مشکوۃ: ص ۳۲۰)

ترجمہ: ''عنقریب تم عہدوں کی مسابقت میں کود پڑو گے۔ حالاں کہ یہ قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگا۔ دودھ دینے والا اور لذت بخش عہدہ بہت اچھا لگتا ہے، لیکن جب عہدہ چھن جاتا ہے اور دودھ کا تھن مُنہ سے نکل جاتا ہے، تو اتنا ہی بُرا لگتا ہے، پھر کیا حاصل ایسی لذّتوں کا جن کے بعد حسرتوں کا سامنا کرنا پڑے''۔

حضور پاک ؐ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ہم عہدہ ایسے شخص کو نہیں دیں گے جو اس کا خواہشمند ہو

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اور میرے دو چچازاد بھائی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، اور دونوں نے یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی درخواست کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا واللّٰہ لا نولّی علیٰ ھذا العمل احدًا مسألۃ ولا احدا احرص علیہ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ:۳۲۰)

ترجمہ: ''ہم اللہ کی قسم یہ ذمّہ داری ہرگز کسی ایسے شخص کے حوالے نہیں کرتے جو اس کا طلب گار یا اُمیدوار ہو''۔

اچھے اور ہوشیار لوگ عہدہ لینے سے بھاگتے ہیں کہ کہیں اس کے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں

اسلامی معاشرہ میں ہمیشہ وہ لوگ اچھے مانے جاتے رہے ہیں جو اپنے کو عہدوں کی دوڑ اور سیاسی مسابقت سے دُور رکھتے ہیں، ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تجدون من خیر الناس اشدھم کراھیۃ لھذا الامر حتی یقع فیہ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ:۳۲۰)

ترجمہ: تم ہمیشہ دیکھو گے کہ اچھے لوگ اس دوڑ سے دور بھاگتے ہیں کہ کہیں اس میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اگر اچھے لوگوں کیلئے اجتماعی مفادات کے تحفظ کی خاطر عہدہ لینا ضروری ہے تو گنجائش کی صورت میں ضرور لیں

لیکن وہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ بسا اوقات قومی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لئے

اچھے لوگوں کو بھی اس کام کے لئے آگے بڑھنا پڑتا ہے، اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو خراب لوگ ان عہدوں پر فائز ہو جائیں گے اور اس سے پوری قوم بحیثیت اجتماع متأثر ہوگی، جس کی ذمّہ داری کسی نہ کسی درجے میں ان لوگوں پر بھی عائد ہوگی جو اس سیاسی مسابقت سے اہلیت کے باوجود کنارہ کش رہے، حضرت عائشہ کا ایک ارشاد اس سلسلے میں ہماری بڑی حد تک رہنمائی کرتا ہے۔

''ابوسلمہ بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں اور چند مہاجرین کے صاحب زادے ایک جگہ جمع ہوئے، اور ہم لوگوں نے ارادہ کیا کہ امیر المومنین حضرت معاویہؓ سے ملاقات کریں، پیشِ نظر اپنی معاشی مشکلات تھیں، مگر اس سے قبل ہم لوگوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا، ہم لوگ اُمّ المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی معاشی مُشکلات اور قرض وغیرہ کا ذِکر کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے سلطان سے دُور دُور رہتے ہیں، ہم نے عرض کیا ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ کوئی عہدہ ہمیں نہ دے دیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: سبحان اللّٰہ فاذا لم یستعمل خیارکم یستعمل شرارکم۔ (التلخیص الحبیر: لابن حجر، جلد ۲، ص ۴۰۲)

''سبحان اللہ! اگر تم میں اچھے لوگ کام میں نہ لگیں گے تو بُرے لوگوں کو یہ کام دے دیا جائے گا''۔

اگر واقعتاً کسی کے دل میں خلوص اور امت کا درد ہو تو بدرجہ مجبوری عہدہ لے سکتا ہے

اس سلسلے میں اصل بنیاد حضرت یوسف علیہ السلام کا طرزِ عمل ہے، جس کو قرآن نے نقل کیا ہے، حضرت یوسفؑ نے سلطانِ مصر سے مطالبہ کیا تھا کہا: قال جعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم۔ (سورۂ یوسف: ۵۵)

ترجمہ: مجھے زمینی خزانوں کا ذمّہ دار بنا دیجئے، میرے پاس عِلم و عقل بھی ہے، اور نگرانی کا سلیقہ بھی رکھتا ہوں۔

حضرت یوسفؑ کی اس طلب کے پیچھے بالیقین کسی حظِ نفس کا دَخل نہیں تھا، وہ معصوم پیغمبر تھے، ان کے بارے میں اس طرح کا تصوّر بھی گناہ ہے، بلکہ ان کی اس طلب کے پیچھے محض انسانیت کا دَرد، اور مفاداتِ عامہ کے تحفّظ کا جذبہ کارفرما تھا، اور حضرت یوسفؑ جانتے تھے کہ اگر میں یہ اَہم ترین ذمّہ دارانہ مَنصب حاصل نہ کروں تو مصر کو قحط کے عذاب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

حضرت یوسفؑ کے اس عملی نمونے سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو کسی ایسے عمل کے لئے پیش کرسکتا ہے، جس کی اَہلیت اس کے اندر موجود ہو، اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس کام کے لائق نہ ہو۔ تو اس پر لازم ہے کہ اس کام کے لئے اپنی خدمات پیش کرے۔ اسی طرح اس سے یہ نتیجہ بھی اَخذ کیا گیا ہے کہ بوقتِ ضرورت انسان اپنی بعض ان صفات کی طرف بھی اشارہ کرسکتا ہے جو مطلوبہ کام کے لئے ضروری ہوں، اگر چہ کہ بظاہر اس میں خودستائی محسوس ہوتی ہو۔ (احکام القرآن للقرطبی: ۹/ ۱۴۲، روح المعانی ۱۳/ ۵، احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۱۷۴)

اسوۂ سلیمان علیہ السلام

اس باب میں ایک اور اہم ترین نمونہ حضرت سلیمان کی دعا بھی ہے، حضرت سلیمانؑ نے رب العالمین سے مانگا تھا کہ ''رب هب لی ملکا لاینبغی لاحدٍ من بعدی انک انت الوهاب'' (ص: ۳۴)

ترجمہ: ''پروردگار! مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہوسکے یقینا آپ بخشنے والے ہیں''۔

یہ روئے زمین پر سب سے بڑے منصب کی طلب تھی لیکن اس کا مقصد بھی بس انسانوں کو صحیح فائدہ پہونچانا، خلقِ خدا کو جبر وظلم سے نجات دِلانا اور روئے زمین پر خدائی حکومت قائم کرنا تھا، اور ظاہر ہے کہ ان عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے اس دور میں حضرت سلیمانؑ سے بہتر شخصیت کون ہوسکتی تھی۔

علماء نے اس واقعہ سے بھی وہی نتائج اخذ کئے ہیں جو حضرت یوسفؑ کے ذیل میں مذکور ہوئے۔ (احکام القرآن لابن العربی: ج ۲/ص ۱۹۹)

علامہ ابن قدامہ نے اس سلسلے میں بہت اچھا تجزیہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

''لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں، اور تینوں کے احکام مختلف ہیں۔''

(۱) ایسا شخص جس میں مطلوبہ عہدہ کی اَہلیت موجود نہ ہو، ایسے شخص کے لئے وہ عہدہ قبول کرنا جائز نہیں۔

(۲) ایسا شخص جس میں اہلیت موجود ہو اور قابلِ اعتماد اور لائق شخص ہو، مگر وہ اپنے میدان میں تنہا شخص نہ ہو، بلکہ مطلوبہ معیار کے متعدد لوگ معاشرہ میں موجود ہوں، ایسے شخص کے لئے عہدہ قبول کرنا جائز ہے، واجب نہیں، اس لئے کہ اہلیت کے لحاظ سے وہی شخص متعین نہیں ہے، البتہ امام احمدؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں عہدہ قبول کرنا اگر چہ کہ جائز ہے، مگر اس جنجال میں نہ پڑنا بہتر ہے، اس لئے کہ یہ پرخطر وادی ہے، اپنے آپ کو بچاتے ہوئے تمام متعلقہ لوگوں کے حقوق ادا کرنا آسان کام نہیں ہے، البتہ بعض لوگوں نے ضرورت مند اور غیر ضرورت مند کا فرق کیا ہے، کہ اگر اہل شخص ضرورت مند ہو تو اس کے لئے عہدہ قبول کر لینا مستحب ہے۔

(۳) ایسا شخص جس میں عہدہ کی اہلیت موجود ہو، اور اس کے سواء کوئی دوسرا شخص اس معیار کا موجود نہ ہو، ایسی صورت میں اس شخص پر عہدہ قبول کرنا واجب ہے، امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عہدہ قبول کرنا واجب نہیں ہے۔ (المغنی: ج ۱۱، ص ۳۷۶)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں عہدۂ قضاء قبول کرنے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ اگر تمام لوگ اس سے بھاگنے لگیں تو اس اَہم ترین ذمّہ داری کو کون ادا کرے گا، جبکہ بڑے بڑے صحابہ نے یہ ذمّہ داری قبول کی ہے، عہدِ صدیقی میں حضرت فاروقِ اعظمؓ قاضی تھے، عہدِ

فاروقی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو منصبِ قضا دیا گیا، حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو فرمان جاری کیا کہ عہدۂ قضا ڈھونڈ ڈھونڈ کر صرف صالحین کو دیا جائے، وغیرہ، اس طرح کی بہت سی مثالیں عہدِ صحابہ میں موجود ہیں، البتہ اگر اہل شخصیتیں کئی موجود ہوں تو کسی ایک متعین شخص پر وجوب عائد نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کوئی صاحبِ علم و تحقیق شخص محسوس کرتا ہو کہ عہدۂ قضا یا اور کوئی ذمّہ دارانہ منصب قبول کرنے کے بعد اس کا علمی اور تحقیقی سفر سست ہو جائے گا، تو ایسے شخص کے لئے بہتر ہے کہ وہ عہدہ سے دُور رہ کر علم و تحقیق کے کاموں میں مصروف رہے۔ (فتح الباری: ج ۱۳ ص ۱۰۸)

فقہاءِ حنفیہؒ میں علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

عہدہ کی طلب ہر صورت میں ممنوع نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں ممنوع ہے جبکہ اس عہدہ کے لائق دوسرے افراد موجود ہوں، اگر اس عہدہ کے لائق دوسرے افراد موجود نہ ہوں اور تنہا وہی شخص اس عہدہ کے لئے موزوں ہو تو اس پر واجب ہے کہ مفاداتِ عامہ کے تحفظ کے لئے عہدہ حاصل کرے، اور لوگوں کو شُرور و فِتن میں پڑنے سے بچائے۔ (بحر الرائق کتاب القضاء: ج ۶ ص ۴۵۹، کذا فی فتح القدیر: ج ۷، ص ۲۴۴، فتاویٰ ھندیہ: ج ۵، ص ۱۳۱، الاحکام السلطانیہ للماوردی: ص ۷۵)

سلفِ صالحین کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حقوقِ عامّہ کے تحفظ کے لئے عہدہ کی طلب اور اس کے لئے تگ و دو ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں اَہلیت موجود ہو اور اس کے آگے نہ بڑھنے کی صورت میں وہ چیز کسی غلط ہاتھ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

البتہ بہتر یہ ہے کہ خود پرچۂ اُمیدواری داخل نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے دوسرے لوگ پرچۂ نامزدگی داخل کریں، تاکہ طلب عہدہ کی بنا پر لوگوں کی نگاہ میں متہم نہ ہو، بعض فقہاء نے اس کا لحاظ کیا ہے۔

جو عہدہ قضا کا طالب ہو اسے عہدہ دینا جائز نہیں

علامہ کاسانی کتاب ادب القاضی میں لکھتے ہیں: ''عہدۂ قضا کے طالب کو منصبِ

قضا دینا نا جائز نہیں ہے، اگر اس میں اس عہدہ کی واقعی اہلیت موجود ہو تو باتفاق فقہاء ایسے شخص کو عہدہ قضا دینا دُرست ہے، البتّہ بہتر ہے کہ ایسے شخص کے بجائے کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جائے جس میں عہدہ کی طلب نہ ہو اس لئے کہ طلب کی بنا پر انسان اپنے حق میں متہم ہو جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع کتاب ادب القاضی: ج ۵،ص ۴۳۹)

مدعی بن کر عہدہ مت لو بلکہ اگر مسلمانوں کی کوئی معتبر جماعت دے تو لے لو

ہمارے بزرگوں میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے، تحریر فرماتے ہیں: ''اگر واقع میں وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبہ سے اس میدان میں آیا ہے تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے، اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کر دے۔ (جواہر الفقہ: ج ۲،ص ۲۹۱۔مطبوعہ دیوبند ۱۹۹۷ء)

کافرانہ قیادت کے تحت عہدہ قبول کرنے میں اپنے لئے اور قوم کیلئے خیر ہے تو ضرور قبول کرو

میرے اس خیال کی بنیاد علماء وفقہاء کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے کافرانہ یا فاسقانہ قیادت کے تحت کوئی ذمّہ دارانہ مَنصب قبول کرنے کے تعلق سے کی، علاوہ ازیں بعض آیات و اَحادیث سے بھی رہنمائی ملتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعونِ مصر سے ایک ذمّہ دارانہ عہدہ طلب فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافرانہ قیادت کے تحت ذمّہ داری قبول کی جاسکتی ہے، علامہ ابن العربی نے ایک پیغمبر کے لیے کافرانہ قیادت کے تحت مَنصب کے سوال کو بڑی اَہمیت سے اٹھایا ہے اور پھر اس کا پُرتکلف جواب بھی دیا ہے۔ (احکام القرآن لابن العربی: ج ۱،ص ۴۴۳)

لیکن اصحابِ تحقیق علماء نے اس سوال و جواب سے قطعِ نظر اسوۂ یوسفیؑ سے یہ حکم مُستنبط کیا ہے کہ کافرانہ قیادت کے تحت منصب قبول کرنا جائز ہے۔ (اعلاء السُّنن علامہ ظفر احمد تھانوی: ج ۱۵، ص ۵۴)

اسی طرح متعدد صحابہ اور تابعین کے طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظالمانہ یا فاسقانہ قیادت کے تحت کام کرنا یا کوئی عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔

صاحبِ ہدایہ نے اس ذیل میں حضرت امیر معاویہؓ کے قاضیوں کی مثال دی ہے جبکہ وہ حضرت علیؓ سے برسرِ پیکار تھے اور یقیناً حق پر نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی خواہش پر متعدد صحابہؓ نے منصبِ قضا قبول کیا، مثلاً حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت فضالہ بن عبیدہؓ وغیرہ۔

(ہدایہ کتاب القضاء: ج ۳، ص ۱۱۷)

لیکن اس کی اچھی مثال حجاج کے دَور کے عہدیداران ہیں، امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ الوسط میں نقل کیا ہے کہ حجاج نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادے حضرت ابو بردہؓ کو قاضی بنایا تھا اور حضرت سعید بن جبیرؓ کو ان کا معاون قرار دیا تھا، بعد میں اس ظالم نے حضرت سعید بن جبیرؓ کو قتل کر دیا، اور اس کے چھ ماہ بعد خود بھی موت سے ہمکنار ہوا۔ حضرت سعید بن جبیرؓ کے بعد حجاج کو کسی اور کو قتل کرنے کا موقع نہیں ملا، گویا حضرت سعید حجاج کے آخری مقتول تھے۔ (زیلعی: ج ۲، ص ۲۰۳)

حافظ ابونعیم تاریخ اصبہان میں لکھتے ہیں، کہ حجاج کے دَور میں وہ اصبہان کے قاضی تھے بعد میں حجاج نے ان کو معزول کر دیا۔ (زیلعی: ج ۲، ص ۲۰۳)

ابن القطانؒ کا بیان ہے کہ ابو محمد طلحہ بن عبد اللہ بن عوفؓ، یزید بن معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں مدینہ کے قاضی تھے، جبکہ طلحہ مشہور تابعی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرۃؓ اور حضرت ابوبکرؓ، وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ (زیلعی: ج ۲، ص ۲۰۳)

بحالت مجبوری اور ہنگامی حالت میں غیر صالح کو عہدہ دینے کی گنجائش ہے

جب قضا جیسا نازک منصب قبول کرنا جائز ہے تو دوسرے نسبتہً کمتر درجہ کے مناصب

قبول کرنے کی بدرجہ اولیٰ اجازت ہونی چاہئے، احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض کام ایسے ہیں جن کو ہر حال میں انجام دینا ضروری ہے خواہ اس کو انجام دینے والی قیادت صالح ہو یا غیر صالح، اور امت پر ضروری ہے کہ اس حد تک وہ اپنی قیادت کی اطاعت کرے، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے تعلق سے فرمایا:

الجهاد واجب عليكم مع كل امير برا كان او فاجرا۔ (رواہ ابوداؤد وسکت منہ، اعلاء السنن: ج۱۵/ ۵۵)

ترجمہ: جہاد ہر حال میں واجب ہے خواہ امیر الجہاد نیک ہو یا بد۔

بخاری ومسلم میں حضرت عمرو بن النعمان کی روایت ہے۔

ان الله ليويد هذا الدين بالرجل الفاجر۔ (اعلاء السنن: ج۱۵/ ۵۵)

ترجمہ: بیشک اللہ اس دین کو فاسق شخص کے ذریعہ قوت پہونچائے گا۔

جہاں تک خلافِ شرع امور میں اطاعت کا معاملہ ہے تو ان امور میں اطاعت نہ کرے اور اظہارِ رائے کے بعد ان امور سے اپنے آپ کو غیر متعلق کر لے اور میرے خیال میں ردعمل کے اظہار، اور قلبی ناپسندیدگی کی صورت میں اس شخص پر شرعاً کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ اس کو معاف فرما دے گا۔

اس مسئلہ پر مسلم شریف کی ایک روایت سے کافی روشنی ملتی ہے۔

حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الامن ولى عليه و الٍ فراٰه ياتى شيئا من معصية الله فليكره مایاتى من معصية الله ولا ينزعن يداً من طاعته۔ (رواہ مسلم، مشکوۃ: ۳۱۹، کتاب الامارۃ)

ترجمہ: ”سنو! جس پر کوئی والی مقرر کیا جائے پھر اس کو کسی معصیت میں مرتکب پائے، تو اس کی اس حرکت کو دل سے ناپسند کرے لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے“۔

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يكون عليكم امراء تعرفون وتنكرون فمن انكر فقد برى ومن كره فقد سلم ولكن من رضى وتابع قالوا افلا نقاتلهم قال لا ماصلوا الا ماصلوا اى من كره بقلبه وانكر بقلبه۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ:۳۱۹)

ترجمہ: تم پر ایسے امراء مسلط ہوں گے جو معروف ومنکر ہر طرح کا کام کریں گے جو ان کے منکرات پر نکیر کرے گا وہ بَری ہوگا، اسی طرح جو کم از کم دل سے ان کے خلاف شرع حرکتوں کو ناپسند کرے وہ بھی نجات پائے گا۔ البتہ جو ان سے راضی ہوا اور ان کی اتباع کرے (اس پر اس کا وبال آئے گا) صحابہ نے عرض کیا، کیا ہم ان سے جنگ کر سکتے ہیں حضور نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پر قائم ہیں۔

یہاں کرہ وانکر، سے مراد یہ ہے کہ زبان سے ردِ عمل کا اظہار ضروری نہیں ہے بلکہ دلی نفرت نجات کے لئے کافی ہے۔

اسی طرح فتنہ کے ایام میں جب حضرت عثمان اپنے مکان میں محصور تھے، اور مسجد نبوی پر باغیوں کا قبضہ تھا، کسی نے حضرت عثمان سے دریافت کیا کہ کیا ہم ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، حضرت عثمان نے فرمایا:

اذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساءو افاجتنب اساءتهم۔ (اعلاء السنن: ج۱۵، ص۵۱)

ترجمہ: اگر ان لوگوں کا سلوک بہتر ہو تو ان کے ساتھ تم بھی حسن سلوک کرو، اور اگر سلوک خراب ہو یعنی خلافِ شرع کام کریں تو ان کے اس عمل سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھو‘‘

قیامت قریب لوگ نااہلوں کو عہدہ دیں گے

عن ابى هريرة ص قال:بينما النبى ﷺ فى مجلس يحدث القوم جاء ه

اعرابی فقال : متی الساعة ؟ فمضی رسول اللّٰہ ﷺ یحدث فقال بعض القوم سمع ما قال فکرہ ما قال وقال بعضھم : بل لم یسمع حتیٰ اذا قضی حدیثه قال : این --- اراہ---السائل عن الساعة؟ قال: ھاأنا یارسول اللّٰہ قال:فإذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة ، قال: کیف اضاعتھا؟ قال: إذا وسد الامر الیٰ غیراھله فانتظر الساعة۔ (بخاری شریف، کتاب العلم، باب ۲، حدیث:۵۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک بار ایسا ہوا کہ نبی کریم اایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اورلوگوں سے کچھ فرمارہے تھے، اسی دوران دیہات کے ایک صاحب آئے، اور پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اس پر توجہ نہ فرمائی، اور باتوں کا جوسلسلہ چل رہا تھا اسی میں مصروف رہے، اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس کا سوال سن تو لیا ہے، مگر آپ کو اس کی بات پسند نہ آئی، بعض نے کہا کہ نہیں آپ نے سنا ہی نہیں، پھر جب بات پوری ہوچکی تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے متعلق جو پوچھ رہا تھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا حضرت! میں یہ موجود ہوں، آپ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع کردی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو، انھوں نے کہا کہ اس کا ضائع کیا جانا کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ذمہ داری جب نااہل کے سپرد کردی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو۔

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربِ قیامت کی ایک اہم علامت ارشاد فرمائی ہے، یہ بات معلوم ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جب دنیا میں برائیاں عام ہوجائیں گی، نیکیاں سمٹ کر معدوم ہوجائیں گی، ہر خیر اور نیکی قیامت کو روکنے والی ہے، اور ہر شر اور معصیت اسے قریب کرنے والی ہے، تو وہ بڑی برائیاں جو قیامت کو دعوت دینے والی ہیں، قربِ قیامت کی علامتیں ہیں، پوچھنے والے نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا کہ جب امانت ضائع کردی جائے، تو بس سمجھو کہ قیامت قریب ہے، اب اس کا انتظار کرو،

پوچھنے والے کو معلوم نہ تھا کہ امانت کا ضائع کرنا کیونکر ہے؟ آپ نے بتایا کہ کاموں کی ذمہ داری جب نااہلوں کے سپرد کر دی جائے تو بس اس کا انتظار کرو۔

مشہور محدث اور عالم علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے إذا وسد الامر کی تشریح میں فرمایا کہ:

''جب دینی ذمہ داریاں اور مناصب، مثلاً عہدۂ خلافت اور اس کے متعلق امور، یعنی امارت منصب قضاء، منصب افتاء اور منصب تدریس وغیرہ، ایسے لوگوں کے حوالے کر دئے جائیں جن میں اہلیت نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شرافت اور سیادت کے مستحق نہیں ہیں انھیں سرداری اور امارت دیدی جائے، تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔

کیونکہ اس سے شریعت کے اوامر و نواہی مختل ہو کر رہ جائیں گے، دین کمزور ہو جائے گا، اسلام میں اضمحلال آجائے گا، جہل کا غلبہ ہوگا، علم فنا ہو جائے گا، اہل حق، حق کو قائم کرنے سے بے بس ہو جائیں گے۔ (فیض القدیر، ج ۱،ص:۴۵۱)

اپنے فرض اور عہدہ کا حق ادا کرنے والے ماجور اور حق تلفی کرنے والا ماخوذ ہوگا

سرکاری ملازم امین ہے اور سرکاری منصب امانت ہے اور اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر اجر و ثواب ہے اور کوتاہی پر عقاب ہے۔ اس پہلو سے حکومتی طبقات اور سرکاری ملازمین بڑی ذمہ داری تلے دبے ہوئے ہیں اور وہ اسی صورت اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب وہ خلوص کے ساتھ اپنے قرآنی فرائض سرانجام دیں۔ یہ منصب پھولوں کا سیج اور عیش و عشرت کا گل زار نہیں، بلکہ خارزار ہے۔ حکومت کے ملازمین اگر اپنے فرائض کو چھوڑ کر ذکر و نوافل یا تسبیح و تلاوت میں مصروف رہیں گے تو خدا کے ہاں غافل اور مجرم شمار ہوں گے۔ فرائض، واجبات اور مؤکدات کے بعد ان کی بہترین عبادت یہی قرار دی گئی ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ اپنے محولہ فرائض انجام دیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا جو قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے اس کا حاصل کیا ہے؟ یہی کہ

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے عبادت خانہ کا دروازہ بند کرکے یادِ الٰہی میں مصروف ہوگئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ وتعلیم فرمائی۔ عمال حکومت کی حیثیت امین ہونے کے ساتھ اجیر کی بھی ہے یعنی پوری قوم نے ایک ذمہ داری ان کے سپرد کی ہے اور وہ از روئے شرع اور قانون عوام کو جواب دہ ہیں۔ (حلال وحرام چند اہم مباحث، ص/36)

جاہ ومنصب کا طالب اپنی بے عزتی اور رسوائی کا طالب ہے

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

مال ومنصب تا کسے آرد بدست

طالبِ رسوائے خویشِ اوشدست

جو شخص مال اور منصب کا حریص اور طالب ہوتا ہے تو وہ دراصل اپنی رسوائی کا طالب ہوتا ہے۔

یا کند بخل وعطا ہا کم دہد

یا سخا آرد بہ نا موضع نہد

ایسا شخص یا تو بخل کرے گا اور بخشش مخلوق پر نہ کرے گا یا اگر سخاوت کرے گا بھی تو بے موقع اور نا اہل پر کرے گا۔

سروری را کم طلب درویش بہہ

بارِ خود بر کس منہ بر خویش نہ

سرداری مت طلب کرو اور فقیرانہ سادی زندگی اختیار کرو، اپنا بوجھ کسی پر رکھنے کے بجائے اپنے ہی اوپر رکھو یعنی اپنے کاموں کو خادموں سے لینے کے بجائے خود کرنے کی عادت ڈالو۔

اشتہا رِ خلق بندِ محکم ست

بندِ ایں از بندِ آہن کے کم ست

مخلوق میں مشہور ہوجانا یہ سخت تر قید ہے اور یہ قید، قیدِ آہنی سے کم نہیں ہے۔

فائدہ: یعنی شہرت کو اپنی طرف سے طلب نہ کرے مگر جب حق تعالیٰ کسی بندے پر اسمِ ظاہر کی تجلّی فرماتے ہیں تو اس کو مشہور کردیتے ہیں۔ اور اس سے خلق کو استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے، جیسے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لئے فرمایا تھا ؎

میں تو نام ونشاں مٹا بیٹھا

میرا شہرہ اڑا دیا کس نے

جو خود کو مشہور کرنا چاہے گا اس کا انجام وہی ہوگا جو مندرجہ ذیل اشعار میں ہے

دانہ باشی مرغگانت برچنند

غنچہ باشی کودکانت برکنند

دانے کی طرح زمین پر ظاہر ہوگا تو چڑیاں چگ لیں گی اور اگر کلی کی طرح اپنے کو شاخوں سے ظاہر کرے گا تو لڑکے تجھے تماشا بنائیں گے اور اچک لیں گے۔

او چو بیند خلق را سرمستِ خویش

در تکبر می رود از دستِ خویش

جب ہر طرف سے خلق کو اپنا دیوانہ ومست دیکھتا ہے تو تکبر کے فتنے میں مبتلا ہو کر اپنے ہاتھ سے بھی بے قابو ہوجاتا ہے۔

لطف وسالوسِ جہاں خوش لقمہ ایست

کمترش خور کاں پُر آتش لقمہ ایست

نفس کو دنیا والوں کی تعریف اور خوشامد بہترین لقمہ معلوم ہوتا ہے، ایسے لقمے کو مت کھاؤ کہ یہ لقمہ آگ ہی سے پُر ہے یعنی تکبر میں مبتلا کرکے دوزخ تک لے جاوے گا۔

آدمی فربہ شود از راہِ گوش

جانور فربہ شود از حلق ونوش

انسان (تعریف سن کر) کان کے راستے موٹا ہوتا ہے اور جانور بھوسہ کھلی سے موٹا ہوتا ہے۔

نفس از بس مدحہا فرعون شد

کن ذلیل النفس ہونا لا تسد

نفس زیادہ تعریف سن کر فرعون ہوجاتا ہے اس لیے اپنے کو مٹا کر رہو اور سرداری مت تلاش کرو۔ (معارف مثنوی اردو شرح مثنوی مولانا روم، ص/470)

نہ جاہ کی چاہ رکھو نہ خواہش منصب ہی اسی میں تمہارے لئے خیر ہے

سیاسی میدان ہو یا سماجی، معاشی شعبے ہوں یا تعلیمی، دینی درسگاہیں ہوں یا ملی ادارے، مذہبی تنظیمیں ہوں یا سرکاری محکمے، ہر جگہ عہدۂ ومنصب کے حصول کی دوڑ لگی رہتی ہے، خواہش ہوتی ہے کہ ان اداروں ومحکموں کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے انہیں مقدم رکھا جائے، انہیں اس کا صدر و منتظم اعلیٰ بنادیا جائے، ان کی یہ خواہش یا تگ ودو یا تو دوسروں کے تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے مقصد سے ہوتی ہے یا عزت وشرف، شہرت اور دنیوی مفادات واغراض کے حصول کے لیے ہوتی ہے جبکہ انہیں بخوبی علم ہوتا ہے کہ اس ذمہ داری وصدارت اور عہدۂ ومنصب کے آخرت میں کیا نتائج برآمد ہونے والے ہیں، بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو عہدہ ومنصب کی خواہش محض رضاء الٰہی اور اسلام ومسلمانوں کی بھلائی کے لئے رکھتے ہیں۔

جاہ کی چاہ نہیں خواہش منصب بھی نہیں

میرے اندر کوئی درویش ہوا چاہتا ہے

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے کارناموں اور قابل فخر باتوں کا خاتمہ کیا، البتہ بیت اللہ کی خدمت اور دیکھ بھال بنو شیبہ کے لئے اور حاجیوں کو پانی پلانے کی روایت بنو ہاشم کے لئے باقی رکھا۔ آپ کے چچا حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خواہش ہوئی کہ انہیں یہ شرف حاصل ہوجائے اور یہ دونوں خدمات ان کے سپرد کردیئے جائیں، مگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا جبکہ اس وقت آپ کے اختیار وقدرت میں تھا کہ آپ جسے چاہیں ان خدمات کے لئے منتخب فرمالیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چابی عثمان بن طلحہ کو واپس کردی اور ان حضرات سے فرمایا کہ میں آپ کو وہ ذمہ داری دے رہا ہوں جو زیادہ بہتر ہے۔ یعنی پانی پلانا جس میں آپ کو خرچ کرنا ہوگا۔ خرچ وصول کرنا نہیں ہوگا کیونکہ پلانے میں خرچ کرنا اور دینا تھا جس کا صلہ ملے گا اور بیت اللہ کی نگہداشت وتولیت میں خرچ کچھ نہیں تھا بلکہ مادی منفعت تھی۔

گویا دین کی خدمت بے لوث ہونی چاہیے جو محض رضائے الٰہی کے مقصد سے ہو، اس میں اقتدار وحکمرانی تسلط وجاہ وجلال اور عہدہ ومنصب کی لالچ نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی دنیوی اغراض ومفادات اور شہرت ورفعت کا جذبہ ہونا چاہیے کیونکہ عمل اگر خالص اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے ہوگی تو اس میں اللہ کی نصرت ومدد شامل حال ہوگی لیکن اس کے برعکس اگر یہ چاہت وجد وجہد دنیوی اغراض، مادی منفعت اور طلب جاہ ومنصب جیسے مقاصد سے ہوں گے تو اس میں انسان ٹھوکریں کھائے گا، کہ غیر اللہ کی طرف التفات کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

مال اور جاہ کی حرص دین کو تباہ کردیتی ہے

حرص مال اور حب جاہ ومنصب کی حیثیت دو خطرناک بھیڑیے کی ہے۔ یہ آدمی کے دین کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ تباہ کن جتنا دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے لیے غارت گر ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث کے راوی ہیں) دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں وہ ان بکریوں کو اس سے بڑھ کر تباہ نہیں کرتے جتنا مال اور عزت و جاہ کے لیے آدمی کی حرص اس کے دین کو تباہ اور برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔۔۔ (ترمذی دارمی)

دین کی حقیقت اور شناخت ہے، زندگی میں خدا کو اختیار کرنا، اس حیثیت سے زندگی گزارنا اور بسر کرنا کہ آدمی کی پوری زندگی جمال خداوندی کی تابع بن کر رہ جائے۔۔ اس کا جینا، مرنا، نماز، روزہ، حج زکوۃ، قربانی، صدقہ وخیرات اور ملی و دینی خدمت سب کچھ اللہ کے لیے ہو اور دین کی خاطر ہو، اس کے کردار و عمل سے صاف ظاہر ہو کہ وہ خدا کی عزت و عظمت اور اس کے جمال و کمال پر قربان ہے۔۔ اس کی ساری نیازمندیاں ایک خدا کے لیے مخصوص ہو کر رہ جائیں۔ ان کی دلی تمنا یہ ہو کہ وہ خدا کے سامنے اپنے آپ کو انتہا درجہ پست کر دے تا کہ اس کے خدا کی برتری نمایاں ہو۔ وہ خدا کی محبت میں اس طرح سرشار ہو جائے کہ اسے یہ فانی دنیا بے حیثیت اور بے حقیقت معلوم ہونے لگے۔

جس شخص کو صحیح معنی میں خدا کا علم اور خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے، تو وہ کہیں اور عزت و عظمت تلاش نہیں کرتا، اس کے مقابلے میں کہیں کوئی کشش، جاذبیت اور دل کشی معلوم نہیں ہوتی، یہی اصل دین کی حقیقت اور شناخت ہے۔ اگر کوئی بندہ دنیوی مال ومتاع اور دنیوی جاہ وعزت اور عہدہ ومنصب کا بھوکا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دین اور اس کی لذتوں سے بالکل نا آشنا ہے، وہ اگر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اس کے دین کی تباہی میں کیا شبہ باقی رہتا ہے۔۔؟ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھوکے بھیڑیے اور بکریوں کی مثال دے کر دین کی ہولناک تباہی کا احساس دلانے کے لیے تمثیل پیش فرمائی ہے۔ (مستفاد کلام نبوت، جلد ۲)

آج ہمارے معاشرے میں جو برائیاں سب سے سب زیادہ پنپ رہی ہیں اور جس کی وجہ سے سماج اور معاشرے میں خلفشار ہے، نیز جس کے نتیجے میں قوم وملت کا وقار واعتبار کم ہوا ہے اور ہم غیروں کی نگاہ میں بھی بے وقعت ہو گئے ہیں وہ عہدہ ومنصب اور حب جاہ کی بڑھتی ہوئی حرص، لالچ اور اس کے لیے عزت وشرافت اور اخلاق ومروت کا سودا کر لینا ہے۔

آج ملّی، تنظیمی اور مذہبی اداروں میں خلفشار- ملت کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ اگر ہم نے اس خلفشار کو ختم نہیں کیا اور عہدہ اور جاہ ومنصب کے لیے اسی طرح لڑتے رہے تو ہم اور ذلیل و خوار ہوں گے اور برادران وطن کو اور ہنسنے کا موقع دیں گے۔

ان معصیتوں سے یہ تباہی آئیگی

"اس وقت کیا ہوگا؟ جب پانچ چیزیں تم میں پیدا ہو جائیں گی اور میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ تم میں پیدا ہوں یا تم ان (پانچ چیزوں) کو پاؤ، (وہ یہ ہیں)

۱۔ بے حیائی: جسے کسی قوم میں علانیہ (ظاہراً) کیا جاتا ہو تو اس میں طاعون اور وہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جو ان سے پہلوؤں میں نہیں تھیں۔

۲۔ اور جو قوم زکوٰۃ سے رک جاتی ہے تو وہ (درحقیقت) آسمان سے ہونے والی بارش کو روکتی ہے اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش برستی ہی نہیں۔

۳۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط سالی، رزق کی تنگی اور بادشاہوں کے ظلم میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

۴۔ اور امراء جب اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے بغیر فیصلے کرتے ہیں تو ان پر دشمن مسلط ہو جاتا ہے جو ان سے ان کی بعض چیزوں کو چھین لیتا ہے۔

۵۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں جھگڑے پیدا کر دیتا ہے"۔ (الترغیب، ج:۳،ص:۱۶۹)

مذکورہ حدیث میں مختلف گناہوں کو مختلف آفات و پریشانیوں کا سبب بتایا گیا ہے، اس قدر صراحت کے بعد بھی کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ "نافرمانی سببِ پریشانی اور باعثِ عذاب ہے"؟۔

فرض منصبی کی عدم ادائیگی کی صورت میں آپ ناکام ہوجائیں گے

اہلِ علم جانتے ہیں کہ دنیا میں دعوت کی صداقت وسچائی کی سب سے بڑی دلیل دعوت کے مطابق داعی کی زندگی میں عمل ہی ہے۔ جس دعوت کے ساتھ عمل نہ ہو، وہ ازخود ایک کمزور دعویٰ ہے اپنی سچائی کا؛ جبکہ عمل کے ساتھ دعوت ایک مضبوط دلیل ہے اپنے دعوے کی۔ اگر ہم اپنی دعوت میں مخلص اور سچے ہیں تو ہمیں اس کا ثبوت اپنے عمل سے دینا ہوگا کہ دنیا اس میں یقین کرتی اور رکھتی ہے، جو اس کے مشاہدہ میں آتا ہے؛ کیونکہ قولی دعوت سے زیادہ اثر رکھتی ہے عملی دعوت! مگر آج صورتِ حال برعکس ہے۔ ایمان ویقین میں ضعف اور اضمحلال عام ہے اور نتیجتاً اللہ کے احکام اور پیارے آقا کی سنتیں آج ہماری زندگی سے رخصت ہوتی جارہی ہیں۔ اس کی مثال خود ہمارے روزآنہ کے مشاہدہ میں ہے۔ مثلاً نماز جیسے مہتم بالشان عمل سے نوے فی صد افرادِ امت غفلت کے شکار ہیں۔ بے نکاحی لڑکی کا جوڑا مل جانے کے باوجود جہیز کی تیاریوں کے لیے نکاح کو ٹالا جاتا ہے۔ میت ہوجانے پر دور دراز کے رشتہ داروں کی خاطر تجہیز وتکفین میں دیر کی جاتی ہے۔ میراث کی تقسیم میں ٹال مٹول کیا جاتا ہے۔ دیر رات تک گھروں میں بے ہودہ وفحش سیریل دیکھے دکھائے جاتے ہیں اور ان پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ دین وشریعت کی معمولی جانکاری رکھنے والا شخص

بھی بآسانی کہہ سکتا ہے کہ یہ ساری چیزیں جو اس وقت مسلم معاشرہ میں پائی جارہی ہیں وہ خلافِ اسلام ہیں۔ دینِ اسلام کی فطری تعلیمات جن میں سادگی، آسانی، عفت اور پاکی پائی جاتی ہیں انھیں چھوڑ کر خلافِ اسلام چیزوں کو دانتوں سے پکڑا جارہا ہے، جن میں پیچیدگی، پریشانی اور بے حیائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ غیر مسلم اقوام جو اس وقت مادہ پرستی، الحاد، لادینیت، دہریت کی طرف تیزی سے رواں دواں ہے، کسی بھی لحاظ سے مسلمانوں کے اعمال سے اسلام کی طرف کوئی کشش محسوس نہیں کرتی ہیں؛ حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتیں!

انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر عاقل بالغ مسلمان مرد اپنے گھر کی عدالت کا قاضی القضاء ہے، اپنے گھر کی پارلیمنٹ کا وزیر قانون ہے اور ساتھ ہی اپنے گھر کی مملکت کا خلیفہ وفرماں روا؛ لیکن ان سب کے باوجود اپنے گھر کے جملہ کاموں اور امور میں شریعت کے قانون کی روشنی میں کتنے معاملات کو طے کرنے کے لیے شریعتِ اسلامی سے اصول وضوابط اخذ کرتے ہیں، شریعت کے قانون کے مطابق کتنا فیصلہ کرتے ہیں، شریعت کے قانون کی کتنی پاسداری کرتے ہیں، شریعت کے فیصلوں کو اپنے گھروں میں کتنا نافذ کرتے ہیں، ہر شخص کے اپنے گریباں میں دیکھنے کی بات ہے، دوسرا شخص کسی کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔ مسلمانوں کی اپنی منصبی ذمہ داری (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) ادا نہ کرنا اپنے فرضِ منصبی سے نہ صرف راہِ فرار اختیار کرنا ہے؛ بلکہ خدائے ذوالجلال کے احکامات سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔ یہ معاملہ اس ملٹری افسر جیسا ہے، جو اپنی ڈیوٹی کو چھوڑ کر دشمنوں کا آلہ کار بن جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے کسی بھی افسر سے نہ صرف ساری سہولتیں اور مراعات چھین لی جاتی ہیں؛ بلکہ اسے گرفتار کر کے کورٹ مارشل کے تحت سخت سے سخت سزائیں دی جاتی ہیں؛ چنانچہ اب اس امت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہوگیا

ہے۔اپنے مقصدِ زندگی یعنی فرضِ منصبی کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس امت کو اغیار و باطل کے حوالے کر دیا گیا ہے؛ اس لیے کوئی اس کے ملک و مال کو لوٹ رہا ہے، کوئی اس کی عصمت وعفت کو تار تار کر رہا ہے، تو کوئی اس کی عبادت گاہوں کو مسمار کر رہا ہے۔

ایک حدیث میں اس کام کو انجام نہ دینا لعنت اور پھٹکار کا موجب بتایا گیا ہے؛ چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے۔لوگو! اللہ تعالی کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔اس حدیث شریف میں متعین، واضح اور صاف لفظوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ترک کرنے پر تین قسم کی پھٹکار اور وعیدیں سنائی گئی ہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ بارگاہِ ایزدی سے آج ہماری دعائیں، ہمارے سوالات اور مدد کی پکار رد کی جا رہی ہیں۔آج ہم بھلائی کا حکم کیا دیتے، ایک دو نہیں بے شمار برائیاں خود ہمارے معاشرے میں در آئی ہیں۔اور ہم خیر الامم کے منصب سے معزول و برطرف کر دیے گئے ہیں۔ حدیث شریف میں اس منصبی ذمہ داری سے پہلو تہی کرنے پر جن آسمانی وزمینی پریشانیوں، آلام و تکالیف کی پیشین گوئی کی گئی ہیں، انھیں آج ہم مشاہدہ کی شکل میں اپنے سامنے پاتے ہیں؛ مگر افسوس کہ ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں۔اور ہم خوابِ غفلت سے جاگنے کو تیار نہیں۔ایسے سخت اور صبر آزما حالات کو ایمان ویقین کی درستگی و پختگی اور فرضِ منصبی کی ادئیگی سے ہی بدلا جا سکتا ہے کہ یہی ایک یقینی اور حقیقی سبب ہے۔یہی ہمارا نقطۂ آغاز ہے، یہی ہمارے لیے راہِ عمل ہے اور راہِ نجات بھی، اس سے کم کوئی چیز ہمیں موجودہ عذاب وفساد سے بچانے والی نہیں۔

جو اپنے عہدہ کے حقوق ادا نہ کرے گا وہ قیامت میں شرمندگی اٹھائے گا

اسلام نے دنیا کے اس رجحان عام کے بالکل برعکس ان عہدوں اور مناصب کو حقوق کی

فہرست میں شمار کرنے کی بجائے، امانت کی حیثیت دی ہے۔ اس وجہ سے ایک صحیح اسلامی ماحول کے اندر یہ عہدے اور مناصب چاہنے اور طلب کرنے کی چیز نہیں سمجھے جاتے۔

جو لوگ آخرت کی زندگی، قیامت کی باز پرس اور جزاو سزا کے قائل ہوں وہ خود حتی الامکان ان سے دور ہی رہیں گے اور اگر یہ ذمہ داری ان کو سونپ دی گئی تو پھر اس بات کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادیں گے کہ قیامت کے دن یہ ذمہ داری اس کے لئے ندامت ورسوائی کا سبب نہ بنے۔ اس حقیقت کو حضور پاک ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاری ؓ کو سمجھایا تھا جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے حکومت کے کسی عہدے کے لئے درخواست کی تھی۔ روایت کا متن کچھ یوں ہے:

عَنْ أَبِی ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُولَ اللَّهِ أَلاَ تَسْتَعْمِلُنِی قَالَ فَضَرَبَ بِیَدِهِ عَلَی مَنْكِبِی ثُمَّ قَالَ »یَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِیفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ خِزْیٌ وَنَدَامَةٌ إِلاَّ مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِی عَلَیْهِ فِیهَا".

حضرت ابو ذر ؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور پاک ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے حکومت کے کسی عہدے پر مقرر کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے جواب دیا: ابو ذر یہ ایک بھاری امانت ہے اور تم ایک کمزور آدمی ہو۔ قیامت کے دن یہ امانت ندامت اور رسوائی کا سبب بنے گی۔ مگر اس شخص کے لئے جو اس حق کے ساتھ اس کو اُٹھائے اور اس سلسلہ میں اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہوں اُن کو ادا کرے۔

صرف یہی نہیں کہ اسلام نے ان عہدوں اور مناصب کو امانت قرار دیا ہے بلکہ ان کو خدا کی امانت قرار دیا ہے۔ عام دنیاوی حکومتوں میں اول تو یہ امانت کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور اگر کہیں کوئی دھندلا سا تصور ہے بھی تو وہ قومی امانت کا ہے۔ اس وجہ سے جہاں قومی حمیت پر زور ہوتی ہے یا قوم کے احتساب کا اندیشہ قوی ہوتا ہے، وہاں تو امانت داری کو ظاہر داری ایک

حد تک برت لی جاتی ہے لیکن جہاں یہ حس قومی یا احتساب کا کھٹکا موجود نہ ہو وہاں ہر طرح کی خیانت کے لئے ہاتھ پاؤں بھی آزاد ہو جاتے ہیں اور ضمیر بھی بالکل بے حس ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام نے ان کو خدا کی امانت قرار دے کر ان کی نگرانی کے لئے دہرے پہرے بٹھا دیے ہیں۔ قوم کی نگاہیں چوک سکتی ہیں لیکن خدا کی نگاہ سے کوئی مخفی سے مخفی خیانت بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ خیانتوں اور بدعنوانیوں کو دیکھتا بھی ہے اور امانتداروں میں جس حد تک خلوص یا ریا کاری ہے ان کو اچھی طرح پرکھتا بھی ہے۔ اسی خلوص اور ریا کے لحاظ سے وہ ہر عمل کی قیمت ٹھہرائے گا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن معقل بن یسار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.

’’سیدنا معقل بن یسارؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان رعیت پر حاکم ہوا پھر اگر وہ ان (مسلمانوں) کے ساتھ خیانت کی حالت میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کرا دے گا‘‘۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتْ الْفَاطِمَةُ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تم لوگ امارت (سرداری) کی حرص کرو گے حالانکہ یہ قیامت کے دن ندامت کا سبب ہوگی یہ کیا ہی اچھی دودھ پلانے والی اور کیا ہی بری دودھ چھڑانے والی ہے یعنی اس کا آغاز نہایت دلکش اور لذیز لیکن اس کا انجام اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے نہایت ہولناک ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ سارے ڈران لوگوں کے لئے ہیں جو کسی عہدہ کی ذمہ داریاں اس کو اٹھانے کے بعد ادا نہ کریں۔ رہے وہ لوگ جو ان کی ذمہ داریاں ٹھیک ادا کریں تو ان کے اجر وثواب کی بھی حد نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللہ ﷺ إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو لوگ انصاف کرتے ہیں اللہ عزوجل کے پاس منبروں پر ہوں گے پروردگار کے داہنی طرف اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں (یعنی بائیں ہاتھ میں جو داہنے سے قوت کم ہوتی ہے یہ بات اللہ تعالیٰ میں نہیں کیونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے) اور یہ انصاف کرنے والے لوگ ہیں جو حکم کرتے وقت انصاف کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں اور عزیزوں میں انصاف کرتے ہیں اور جو کام ان کو دیا جاوے اس میں انصاف کرتے ہیں۔

بغیر کوشش کئے جو عہدہ ملتا ہے اس میں اللہ کی مدد ہوتی ہے

لَا تَسْأَلْ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا۔

"اپنے لیے منصب مت طلب کرنا، اگر تمہاری طلب اور کوشش سے تمہیں منصب دیا گیا تو تم اس کے حوالے کر دیے جاؤ گے لیکن اگر تم کو بغیر کوشش اور طلب کے یہ منصب اور عہدہ دیا گیا تو اس کی انجام دہی کے لئے تمہاری مدد کی جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

عن مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ قال سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللَّهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ.

سیدنا معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ جس بندے کو اللہ نے رعیت کا حاکم بنایا پھر اس نے اپنی رعیت کی خیر خواہی کیساتھ نگہبانی نہ کی تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا۔

لیکن اس کے باوجود اوپر کی وعیدوں سے جو شخص واقف ہوگا وہ اپنے آپ کو خود کسی طرح اس بات کے لئے پیش کرے گا کہ اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا جائے۔

سرکاری مناصب اور عہدے امانت اور ذمہ داری ہیں کسی کا حق نہیں

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حدیث انتہائی اہم ہے۔

عن أبی موسی رضی اللہ تعالی عنہ قال دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم أنا ورجلان من بنی عمی فقال أحد الرجلین یا رسول اللہ أمرنا علی بعض ما ولاك اللہ عزوجل وقال الأخر مثل ذلك فقال أنا واللہ لا نولی علی ھذا العمل أحدا سألہ وأحد حرص علیہ۔

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ دو آدمی میرے چچا کے بیٹوں میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو ان دو آدمیوں میں سے ایک نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملک عطا کیا ہے ان میں سے کسی علاقے کے معاملات ہمارے سپرد کر دیں اور دوسرے نے بھی اسی طرح کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم ہم اس کام پر اُس کو مامور نہیں کرتے جو اس کا سوال کرتا ہو یا اس کی حرص کرتا ہو۔

ایک اور روایت کچھ یوں ہے۔

عن عدی بن عمیرۃ الکندی رضي اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من استعملناہ منکم علی عمل فکتمنا مخیطا فما

فوقه كان غلولا يأتى به يوم القيامة قال فقام إليه رجل اسود من الأنصار كانى انظر إليه فقال يا رسول الله " اقبل عن عملك قال وما لك قال سمعتك تقول كذا وكذا قال وانا قوله الان من استعملناه منكم على عمل فيجي بقليله وكثيره فما أوتي منه أخذ وما نهى عنه انتهى-(ایضا، حدیث نمبر ۴۷۴۳)

عدی بن عمیر کندیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس آدمی کو ہم کسی کام پر عامل مقرر کریں اور اس نے ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی کسی کم چیز کو چھپالیا تو یہ خیانت ہوگی اور وہ قیامت کے دن اسے لے کر حاضر ہوگا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک سیاہ رنگ کا آدمی انصار میں سے کھڑا ہوا گویا میں اُسے ابھی دیکھ رہا ہوں۔ تو اُس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے اپنا کام واپس لے لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تجھے کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ابھی بھی یہی کہتا ہوں کہ تم میں سے جس کو ہم کسی کا عامل مقرر کریں تو اُسے چاہیے کہ وہ ہر کم اور زیادہ چیز لے کر آئے۔ پس اس کے بعد اسے جو دیا جائے وہ لے لے اور جس چیز سے اُسے منع کیا جائے اُس سے رُک جائے۔

حکومتی مناصب کے لیے اہلیت ضروری ہے

امور ریاست میں اہلیت کی بنیاد پر عہدہ دیا جانا چاہیئے جو شخص ذمہ داری کو کما حقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ منصب قضاء کے لیے فہم و فراست کا ہونا ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال عليه السلام وانكم تختصمون الى ولعل بعضكم ان يكون الحسن من بعض فمن قضيت له بشئى من حق أخيه فلا يا خذه انما أاقتطع له قطعة من النار۔ (شہاب الدین احمد بن ادریس قذافی، قاضی اور انتظامیہ کے دائرہ ہائے کار، ص ۵۵)

میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمے لاتے ہو اس میں ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے اور میں اسی سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو یاد رکھو کہ حقیقت حال تو صاحبِ معاملہ ہی کو معلوم ہوتی ہے اگر حقیقت میں وہ اس صورت میں اس کو جو کچھ دوں گا وہ اُس کا حق نہیں ہوگا بلکہ وہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔

اسلام میں عہدوں کے لیے اہلیت کا معیار ایمانداری اور طاقتور ہونا ہے

قَالَتۡ إِحۡدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسۡتَأۡجِرۡهُ إِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَأۡجَرۡتَ الۡقَوِيُّ الۡأَمِينُ۔ (سورۃ النساء، آیت ۵۸)

''ایک لڑکی بولی کہ ابا ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا اور امانت دار ہو۔

دفتری امور کو چلانے کے لیے اہلیت اور معیار ضروری ہے جو کہ مختلف دفاتر کے لیے مختلف ہے جہاں تک ایمانداری کا تعلق ہے یہ اسلامی قانون میں معاملات کے ساتھ ذمہ داریوں کی ادائیگی کو اللہ کے خوف اور خشیت کیلئے ہے نہ کہ لوگوں کے ڈر اور ان کو خوش کرنے کے لیے ہے۔

حاکم کو چاہئے کہ اپنے افسران کو ذاتی کاروبار سے روکے

سرکاری عہدیدار کو نجی کاروبار کرنے اور جائیداد حاصل کرنے سے احتیاط برتنی چاہیے تاکہ وہ اپنے اختیارات اثر ورسوخ کے ذریعہ کوئی ناجائز فائدہ حاصل کریں۔ اسی لیے جناب عمر بن الخطابؓ اپنے گورنروں کی نگرانی کرتے اور دیکھتے کہ انہوں نے کوئی جائیداد اپنی ملازمت کے دوران تو نہیں حاصل کی۔ ان میں سے ایک نے عمرؓ سے کہا ''میں نے کاروبار کیا اور منافع کمایا'' عمرؓ نے جواب دیا، ''ہم نے آپ کو کاروبار کرنے نہیں بھیجا۔''

بغیر اہلیت کے کسی کو کوئی عہدہ نہ سونپنا چاہیے

سرکاری ملازمین کی تقرری اور اہلیت کے مختلف اصول علماء اسلام نے قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیے ہیں جن کی تفصیل یہ ہیں۔

ا۔ مکمل اہلیت:

اس اصول کی اسلامی انتظامیہ میں بنیادی حیثیت ہے۔ اسلام اس بات کا حریص ہے کہ موزوں شخص کو موزوں عہدے پر مقرر کیا جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔

''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ''۔

''بے شک اللہ حکم دیتا ہے تم کو سپرد کرو امانتیں، اہل امانت کو۔ اور جب فیصلہ کرو تم لوگوں کے مابین تو فیصلہ کرو عدل کے ساتھ''

علماء اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی منصب کسی کو اہلیت کے سوا نہ سونپا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اصول کی اہمیت کا تعین اس وقت فرما دیا جب آپ نے اپنے صحابی ابوذر الغفاری (م ۳۲ھ/ ۶۵۲ء) کو مناصب حکومت میں سے کسی منصب پر فائز کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر فرمایا:

یا ابا ذرانئک ضعیف وانها امانة وانها یوم القیامة وندامة الامن خذ بحقها وأدى الذى عليه فيه۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب کراھیۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، حدیث نمبر ۱۷۲۵)

اے ابوذر! آپ اس ضمن میں کمزور ہیں یہ امانت ہے اور قیامت کے دن ندامت اور پشیمانی کا باعث ہوگی۔ سوائے اس کے لیے جو اسے اہلیت کی بنا پر حاصل کرے گا اور اس کا حق ادا کرے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا عبدالرحمن بن سمرة لا تسأل الامارة فالک ان اعطیتها عن مساله وکلت الیها وان اعطیتها عن غیر مساله انت علیها۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب نھی عن طلب الامارة والحرص علیھا، حدیث نمبر ۱۷۱۵)

عبدالرحمن بن سمرہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے عبدالرحمان بن سمرہ! امارت کی درخواست نہ کرو، کیونکہ اگر وہ تمہیں مانگنے پر دی گئی تو خدا کی طرف سے تم کو اُسی کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ تمہیں بے مانگے ملی تو خدا کی طرف سے تم کو اس کا حق ادا کرنے میں مدد دی جائے گی۔

جس کو اللہ کی جانب سے عہدہ ملتا ہے تو عہدہ کی آزمائش کے وقت مدد بھی ملتی ہے

طلب کر کے عہدے پانے والے خدا کی مدد سے محروم ہیں:

عہدوں کے امانت اور آزمائش ہونے کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد فرماتا ہے۔ جو خود تو ان سے بھاگتے ہیں لیکن اس کے باوجود کسی عہدے کے لیے پیش کرتے اور اس سے ڈرنے اور بھاگنے کے بجائے درخواستیں دے کر اس کو اپنے گھر بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جو آزمائش وہ اپنی طرف سے بندوں پر ڈالتا ہے اس میں ان کی مدد فرماتا ہے، اور اگر وہ اس سے ٹھیک ٹھیک عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی اس کوشش میں ان کو کامیابی بھی عطا فرماتا ہے۔ لیکن کسی آزمائش میں ڈالے جانے کے لیے کوئی شخص اگر اپنے آپ کو خود پیش کرتا ہے۔ تو وہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور مدد فرمانے کے بجائے بالکل غیر جانبدار ہو کر دیکھتا ہے۔ کہ جس ذمہ داری کی اس نے اتنے شوق سے اٹھایا ہے اس کو کس حد تک سنبھالتا ہے۔ اور کیا بناتا ہے۔ (کنزل العمال، ج۶، ص۲۰۶۔)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اناو الله لا نولی علی عملنا هذا احدا سئاله او حرص علیه۔

(شرح النووی صحیح مسلم، کتاب، ج ۲، ص ۲۱۰)

بخدا ہم اپنی اس حکومت کا منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اس کا طالب ہو یا اس کا حریص ہو۔ ان اخونکم عندنا من طلبه۔ (ابو رکبہ حسن عبد اللہ، التنظیم الاداری فی الفکر الاسلامی، ص ۳۰)

تم میں سب سے بڑھ کر خائن ہمارے نزدیک وہ ہے جو اسے خود طلب کرے۔

ان لا نستعمل علی عملنا من اراده۔ (ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، ص ۱۱)

ہم اپنی حکومت میں کسی ایسے شخص کا عامل نہیں بناتے جو اس کی خواہش کرے۔

(امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست، ص ۲۷۵، ۲۷۷)

نیک لوگ جب عہدہ لیتے ہیں تو ان کو ذمہ داری کا احساس مکمل ہوتا ہے

اللہ کے صالح بندے ہمیشہ عہدوں اور ذمہ داریوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر ان پر اس قسم کا کوئی بوجھ ان کی خواہش کے خلاف ڈال دیا گیا ہے۔ تو ان کی ساری زندگی اس بوجھ کے نیچے دب کر رہ جاتی ہے۔ سب سو رہے ہیں، وہ جاگ رہے ہیں سب بے فکر ہیں وہ سب کے لیے فکر مند اور غمگین ہیں۔ سب اپنی اور اپنے بال بچوں کی خوشیوں کے اسباب فراہم کرنے میں منہمک ہیں۔ اور وہ ساری خدائی کا بوجھ اپنے سر پر اٹھائے ہوئے نہ رات کے سکون سے آشنا ہیں، نہ دن کی دلچسپیوں سے۔ یہاں ہم ان لوگوں کے احساسات کا ایک ہلکا سا عکس پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو ان ذمہ داریوں کی صحیح اہمیت سے واقف تھے اور قوم کی طرف سے جو خدمت ان کے سپرد کی گئی تھی اس کو مومنانہ دیانت کے ساتھ ادا کرنا چاہتے تھے۔ اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ جن بستروں پر لیٹ کر دنیا نے عیش کے مزے لوٹے ہیں، انہی بستروں پر خدا

کا احساس رکھنے والے بندوں میں کیسی بے چین راتیں گزاری ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، یکرہ من الحرص علی الامارۃ، حدیث نمبر ۴۷۳۴)

حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت عمرؓ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا تو ان کو بلا کر مندرجہ ذیل نصیحت فرمائی۔

میں تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اگر تم اس کو یاد رکھو گے تو موت سے زیادہ کوئی چیز تم کو محبوب نہ ہوگی اور وہ لازماً آنی ہے اور اگر تم اس کو بھلا دو گے تو موت سے زیادہ کوئی چیز تمہارے نزدیک مبغوض نہ ہوگی، حالانکہ تم اس سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ تم پر اللہ تعالیٰ کے حقوق دن میں ہیں۔ جن کو وہ رات میں نہیں قبول فرمائے گا۔ اور وہ نفل نہیں قبول کرے گا جب تک تم فرائض نہ ادا کرلو گے۔ ہلکی میزان دراصل ان لوگوں کی ہے جن کی میزان قیامت کے روز اس وجہ سے ہلکی ہو کہ انہوں نے دنیا میں باطل کی پیروی کی جو ہلکا اور بے وزن ہے۔ اور جس میزان میں باطل رکھا گیا ہے اس کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ ہلکی ہے۔ اور بھاری ہو کر انہوں نے دنیا میں حق کی پیروی کی جو بھاری ہے۔ اور جس میزان میں صرف حق رکھا گیا ہے اس کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ بھاری ہے اگر تم نے میری یہ نصیحت بھلا دی تو کوئی غائب تم کو موت سے زیادہ مبغوض نہ ہوگا اور تم اس سے بھاگ نہ سکو گے۔ (سنن ابوداود، کتاب الامارۃ، باب، فی طلب القضاء، حدیث نمبر ۳۵۷۷)

اسماء بنت عمیسؓ (حضرت ابوبکرؓ کی بیوی) سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی فرمایا:

میں اپنے پیچھے جو عظیم الشان ذمہ داری چھوڑ کر جا رہا ہوں اس کو سامنے رکھ کر میں نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اُٹھائی ہے۔ اور دیکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح اپنی ذات پر ہم کو اور اپنے بیوی بچوں پر ہمارے بیوی بچوں کو ترجیح دیتے تھے۔ یہاں

تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بخشے ہوئے عطیوں کے حصہ میں سے ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے بیوی بچوں کو ہدیے بھیجتے تھے۔ اور تم نے میری بھی صحبت اٹھائی ہے اور یہ دیکھا ہے کہ میں نے اپنے پیشرو کی کس طرح پیروی کی ہے۔

خدا کی قسم میں بھی غافل ہو کے نہیں سویا کہ مجھے خواب نظر آتے اور نہ ہی میں نے ہوا میں قلعے بنائے کہ میں بھٹکتا، میں سیدھے راستہ قائم رہا۔ اس سے کج نہیں ہوا۔ اور سب سے پہلی چیز جس سے، اے عمر! میں تم کو ڈراتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر نفس کی ایک خاص طرح کی خواہش پوری کر دی جاتی ہے تو پھر وہ دوسری کے لیے پاؤں پھیلاتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ان لوگوں سے ہوشیار رہنا جن کے پیٹ طرح طرح کے ارمانوں سے پھولے ہوئے ہیں اور جن کے دماغ اونچی اونچی فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں بس خبردار تم وہ شخص نہ بننا اور اس بات کو خوب یاد رکھو کہ جب تک تم اللہ سے ڈرتے رہو گے، یہ لوگ تم سے ڈرتے رہیں گے اور جب تم سیدھے راستے پر رہو گے یہ لوگ تمہارے لیے سیدھے رہیں گے۔ (امام ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۶، ۷)

حضرت عمرؓ کو خنجر مارا گیا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ امیر المومنین، جنت کی بشارت قبول کیجئے۔ جس وقت لوگوں نے کفر کیا آپ نے اسلام قبول کیا۔ جس وقت لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑا آپ نے ان کے ساتھ ہو کر جہاد کیا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت دنیا سے رخصت ہوئے آپ کی موت شہادت کی موت ہو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے سب کچھ سننے کے بعد فرمایا، جو کچھ کہا ہے ذرا اس کو پھر دہرانا، میں نے تعمیل ارشاد کی۔ انہوں نے میری پوری بات سننے کے بعد فرمایا، اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ زمین میں جتنا سیم و زر بھی ہے اگر وہ سارے کا سارا مجھے مل جائے تو میں ظاہر ہونے والے دن کے ہول سے بچنے کے لیے فدیہ میں دے دوں گا۔ (ایضاً ص ۷، 842۔ طبقات ابن سعد، ج 5، ص 72)

اس زمانے میں جو سختیاں حضرت عمرؓ نے اپنی جان پر بار برداشت کیں اور جو سختیاں اپنے بیوی بچوں پر ڈالیں ان کے بہت سے واقعات ابن سعد نے ''طبقات'' میں روایت کئے ہیں۔

ایک مرتبہ ان کے سامنے گھی میں پکا ہوا گوشت لا یا گیا۔ اس کے کھانے سے انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک بجائے خود سالن ہے پھر اس کی کیا ضرورت تھی!

''ایک شخص سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ اتفاق سے اس کے پاس شہد موجود تھا۔ اس نے وہ پیش کر دیا۔ آپ نے اس کو واپس کر دیا کہ میں اس قیامت کے روز حساب میں شامل نہیں کرانا چاہتا۔''

''اپنے بچوں میں سے کسی کے ہاتھ میں خربوزے کی ایک پھانک دیکھ لی۔ اس کے پیچھے بھاگ کر امیر المومنین کے فرزند تم خربوزے اُڑا رہے ہو اور اُمت محمد یہ تباہ ہو رہی ہے! بچہ روتا ہوا گھر سے بھاگا۔ جب ان کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ یہ خربوزہ ایک کف دست کھجور کی گٹھلیاں دے کر خریدا گیا ہے۔ تب کہیں جا کر مطمئن ہوئے۔''

''ایک عورت کو دیکھا کہ راشن میں جو آٹا اور گھی اس کو ملا ہے اسے ملا کر کچھ بنا رہی ہے۔ لیکن اس سے بن نہیں رہا ہے۔ فرمایا اس طرح نہیں اس طرح بناؤ اور یہ کہہ کر اس کے پاس بیٹھ کر خود بنانے لگے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ راویت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ گھی برتن اور آٹے کی بوری لیے ہوئے ہیں۔ اتنے میں کچھ بھوکے لوگ نظر آئے تو ان کو خود بٹھا کر کھلایا۔

(امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست، ص ۲۷۹)

قحط کی شدت کے نو مہینوں میں یہ معمول رہا کہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر گھر میں داخل ہوئے آخر تک گریہ وزاری میں مشغول رہتے اور دعا کرتے کہ اس امت کی تباہی میرے ہاتھوں نہ ہو۔ لیکن جب یہ دعا قبول نہ ہوئی اور آسمان سے پانی کی ایک بوند بھی نہ ٹپکی تو اپنے عمال کو لکھا کہ ایک معین

دن میں لوگوں کو لے کر نکلو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اس قحط کو دور فرمائے۔ خود بھی لوگوں کو لے کر نکلے۔ سر پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک تھی۔ نماز کی جگہ پہنچ کر سب نے خوب رو رو کے دعائیں کیں۔ حضرت عمرؓ خود اس قدر روے کہ ان کی داڑھی تر گئی۔ عباسؓ بن عبد المطلب پہلو میں کھڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور آسمان کی طرف اٹھا کر کہا، اے اللہ ہم تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کو تیرے حضور سفارشی بناتے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے بھی خوب رو رو کے دعا کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب یکرہ من الحرص علی الامارۃ، حدیث نمبر ۷۰۳۰)

قاضی یا حاکم کے ہاتھ میں عدل کا چراغ ہوتا ہے

دو آدمیوں کے درمیان بطور قاضی فیصلہ کرنا مجھے ستر سال عبادت سے زیادہ مرغوب ہے۔ سیاست الملوک میں عدل کی اہمیت ہے موسی بن یوسف نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ان العدل سراج الدولة فلا تطفئ سراج العدل برسیح الظلم، فان ریح الظلم اذا عصفت قصفت، ریح العدل اذا هبت ربت و من شروط الامارة العدل فی الاحکام۔

عدل کسی بھی ریاست کا چراغ ہے عدل کے چراغ کو ظلم کی آندھی سے نہ بجھاؤ۔ ظلم کی آندھی سب کچھ تباہ کر دیتی ہے جبکہ عدل کی ہوا ثمر آور ہوتی ہے احکام میں عدل حکومت کی بنیادی صفات میں سے ہے۔

عدلیہ کی آزادی کا تصور اسلامی معاشرے میں اس بات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ معاشرہ میں اہل حل وعقد اور حکومت سے ذمہ دار افراد اس آزادی کو یقینی بنانے کے لیے سرکاری ملازمین جدوجہد کرتے ہیں العتبی روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم المہدی نے ان کو ہدایت کی:

اگر مجلس قضا میں آپ کو کسی سے تنازعہ ہو جائے تو ہرگز یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ نے اس پر آواز بلند کی یا اس کی طرف اشارہ کیا، بلکہ یہ ضروری ہے کہ آپ کا ارادہ ٹھیک ہو اور راستہ

مقرر شدہ ہو۔ کوشش کرو کہ مجالس قضاء میں لوگوں کو ان کے حقوق ملیں۔ (عبدالوھاب خلاف، السلطات الثلاث فی الاسلام، مجلۃ القانون والاقتصاد، ص ۸۵۵)

سیاست شرعی کا قاعدہ کلیہ ہے کہ انہی لوگوں کو فرائض منصبی سونپے جائیں گے جن میں انہیں ادا کرنے کی صلاحیت ہوگی۔ (محمد المبارک، نظام الاسلام، الحکم والدولۃ، ص ۹۵)

خلفاء راشدین ولاۃ اور قضا کے تعین کے موقع پر قوت وامانت کی شرط کا لحاظ کرتے تھے اسی لیے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق قول ہے کہ: ھذا و اللہ القوی الامین۔

(ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۳، ص ۵۶)

قضاء کے متعلقہ شرائط کے وجود کو یقینی بنانے کے لیے حکومت وقت یا خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ قضاۃ کے تقرر کے لیے ان کی صلاحیتوں کو جاننے کے لیے اختیار لیں تا کہ اس منصب پر وہی جائز ہو جو اس کا حق دار ہو۔ (الماوردی، تسھیل النظر وتعجیل الظفر ،ص ۱۹۶)

اسلامی نظام قضاء میں تقرری کے لیے امتحان کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں اس لیے حکومت وقت اس موقع پر جو مناسب طریقہ ہو اختیار کرسکتی ہے شرط صرف یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا انتخاب ہو جو عدل وانصاف کرسکیں۔ اس ضمن میں فقہا کا کہنا ہے کہ (خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ قضاء کے منصب پر اس کے اہل شخص کا تقرر کرے۔ (حسینی، الادارۃ العربیۃ، ص ۳۴۳)

اسلام سرکاری مناصب کے لیے دوڑ دھوپ کو پسند نہیں کرتا

اسلامی اصولوں کی رو سے مناصب حریص لوگوں کو نہیں دیئے جاتے بلکہ اس کی وجہ سے تقرری سے بھی منع کیا جاسکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

انا واللہ لا نولی من سالہ ولا من حرص علیہ۔

(صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ، حدیث ۴۷۳۰)

جس نے کسی منصب پر تقرری طلب کی یا اس لالچ کیا تو اسے ہم اس منصب پر نہیں لگائیں

گے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ مناصب عامہ امانتیں ہیں اور اگر یہ ان لوگوں کے ہاتھ میں آ جائیں جو ان کے اہل نہیں تو وہ ان میں خیانت کرتے ہیں۔ کیونکہ السیاستہ الشریعہ میں کہا جاتا ہے کہ:

فاذا ائتمن الرجل الخائن علی وضع الامانات کان کمن استدعی الذئب علی الغنم۔ (الطرطوسی، ابوبکر بن الولید، سراج الملوک، ص ۸۶)

خائن شخص کو امانتوں کی جگہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے بھیڑیئے کو بکریوں کی رکھوالی کے لیے لگا دیا جائے۔

حکومتِ نبوی کے شہری نظم ونسق کے شعبہ میں افسروں اور حکام کی تقرری کے اوصاف

حکومتِ نبوی کے شہری نظم ونسق کے شعبہ میں افسروں اور حکام کی تقرری کی سب سے پہلی شرط وصفت اسلام پر پختہ عقیدہ تھا کہ اس کے بغیر تقرری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس کے بعد دوسری اہم ترین شرط صلاحیت ولیاقت تھی اور یہ اتنی اہم اور ہمہ گیر شرط تھی کہ اس کے سامنے سبقت اسلام اور خدمات دینی بھی مانند پڑ جاتی ہیں۔ سبقت اسلام یا دینی معلومات بذات خود اہم ترین خصوصیات ہیں اور دین ومذہب کے باب میں ان سے بہتر اور کوئی صفت نہ ٹھہرے لیکن انتظام وانصرام میں انتظامی لیاقت، سیاسی تدبر، دنیاوی سوچ وبوجھ، معاملہ فہمی اور حالات ومواقع کی واقفیت وغیرہ زیادہ اہم تھیں اور ان کی رعایت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتظامیہ میں ہمیشہ اور بھرپور کی گئی تھی۔ اس لئے متاخر مسلمانوں اور نوجوان صحابہ کو اکابر صحابہ اور سابقین کرام پر اکثر وبیشتر ترجیح دی گئی تھی۔

علاقائی وقبائلی رعایت بھی وجہ تقرری بن سکتی تھی لیکن اس کی حیثیت ہمیشہ ثانوی ہی رہی جہاں تک سماجی قدر ومنزلت اور خاندانی جاہ وعزت کا تعلق ہے تو نبوی انتظامیہ میں اور دوسری شعبوں کی مانند اس کا قطعی سوال نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ رشتہ داری، قرابت وخاندانی تعلق نہ تو تقرری کی بنیاد بنتے تھے اور نہ تقرری میں مانع ہی تھے۔ حکومت نبوی کی اساس صلاحیت اور لیاقت کی اوصاف پر رکھی گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہر شعبہ ومحکمہ میں پوری طرح

مثالی اور کامیاب ثابت ہوئی۔ مقابلے کا امتحان (پبلک سروس کمیشن۔ اتھارٹیز) اسلامی طریقہ کار:

مختلف سرکاری عہدوں پر اہل لوگوں کو فائز کرنا مملکت اسلامیہ کا فرض ہے اسی لیے (اولی الامر) سربراہ حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مختلف عہدوں کے اہل لوگوں کی تلاش شروع کرے۔ لیکن ساتھ ساتھ لوگوں کو اسلام مختلف سرکاری عہدوں کے لیے حریص ہونے سے بھی منع کرتا ہے۔ کیونکہ اسلامی نظام نظم ونسق میں تقرری خود طلب کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو منع کیا گیا ہے۔

اسلامی نظام حکومت میں استحقاق کے بغیر سرکاری مناصب طلب کرنے سے منع اس لیے فرمایا گیا ہے کہ سربراہ حکومت اپنے ہاں محدود لوگوں میں سے جن کو وہ جانتا ہو آزادی سے مناسب افراد کا انتخاب کر سکے۔ اس قسم کی مثال ایسے ہے جیسے وزیراعظم نے پارلیمنٹ کے ممبران میں سے اپنے وزراء کا انتخاب کرنا ہو اور وہ ان ارکان کی صفات کو جانتا ہو تو ممبران کے لیے اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنے لیے لابی کریں بلکہ وزیراعظم کو یہ اختیار رہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے مناسب افراد کا انتخاب اپنی کابینہ کے لیے کرے بغیر اس کے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو امیدوار کے طور پر پیش کریں۔

لیکن جب کسی عہدے کے لیے بہت زیادہ تعداد ہو اور حکومت ان کی صلاحیتوں کو نہ جانتی ہو تو ایسی صورت میں نظام اسلامی کسی منصب کے لیے امیدوار بننے سے منع نہیں کرتا جب لوگوں کی بہت بڑی تعداد میں سے کوئی اپنے آپ کو امیدوار کے طور پر پیش کرتا ہے تو وہ اس لیے ہوتا ہے کہ حکومت کو اپنی صلاحیتوں سے آگاہ کر سکے۔ اور یہ بتا سکے کہ کن صفات کی بنا پر وہ منصب حاصل کرنے کا حق دار ہے۔

قرآن پاک کے الفاظ میں حضرت یوسفؑ نے کہا:

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيم۔ (سورۂ یوسف، آیت ۵۵)

زمین کے خزانوں کی نگرانی میرے ذمہ لگا دو میں ان کی حفاظت کرنے والا اور علم رکھنے والا ہوں۔

حضرت یوسف اپنی صلاحیتوں سے آگاہ تھے۔اس لئے انہوں نے ایسے بادشاہ کے سامنے ان کا اظہار کرنا مناسب جانا جو اس سے آگاہ نہ تھا۔اسی بناء پر علماء اسلام نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ جب مناصب غیر اہل لوگوں کو سونپے جارہے ہوں تو اہل افراد کو اپنی صلاحیتوں سے حکومت کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔تاکہ کوئی منصب ایسے شخص کے سپرد نہ ہو جو اس کا اہل نہ ہو۔اس ضمن بعض شوافع کا کہنا ہے کہ جن لوگوں میں اجتہاد کی شرائط مکمل ہوں ان کے لیے جائز ہے کہ وہ حکومت کو اس سے آگاہ کردیں اور قضا قاضی کا خطبہ دیں۔ان میں سے بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یہ ان کے لئے ضروری ہے جب کہ معاملات ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائیں جو اس کو ادا نہ کرسکتے ہوں۔(ایضاً)

پس اس کے لئے ایک مربوط نظام ہو جس میں تعلیمی معیار اور کم از کم مطلوبہ معیارات طریقہ انتخاب میں ملحوظ خاطر رکھی جائے۔

مقام ومرتبہ اور تعریف میں غلو کرنا اور حد سے بڑھنا جائز نہیں

شرک کے اسباب میں سب سے بڑا سبب عقیدت ومحبت میں غلو ہے اور اس غلو کے نتیجہ میں بسا اوقات مقام ومرتبہ میں حد سے تجاوز کیا جاتا ہے اور مدح وستائش اور تعریف میں بھی مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے؛ اس لیے اسلام نے کسی کو اس کے مقام سے بڑھانے اور کسی کی تعریف میں غلو کرنے سے منع فرمادیا۔

سرور عالم، سید الکائنات، فخر موجودات، افضل المخلوقات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ومقام کس مسلمان سے پوشیدہ ہوگا؟ اور آپ کا تمام انبیاء ورسل میں سب سے افضل ہونا کس سے مخفی ہے؟ کہنے والے نے سچ کہا ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تعلیم کے لیے، اپنے مرتبہ اور

تعریف میں بھی غلو اور تجاوز کو پسند نہیں کیا؛ بلکہ اس سے منع فرمادیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

’’لَاتُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُوْلُوْا : عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ‘‘۔ میری تعریف میں غلو نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو جیسے کہ نصاریٰ نے (عیسی ابن مریمؑ) کے بارے میں غلو کیا، اور حد سے بڑھ گئے، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں؛ لہٰذا تم یوں کہو اللہ کے بندے اور اس کے رسول۔ (بخاری: ۳۲۶۱، احمد: ۱۶۴، صحیح ابن حبان: ۱۴/ ۱۳۳، مسند طیالسی: ۱/ ۶)

اس میں اشارہ ہے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے مقام ومرتبہ سے بڑھا دیا تھا اور ان کو خدا کا نبی ورسول سمجھنے کے بجائے خدا کا بیٹا بنالیا تھا؛ لہٰذا کسی کو بھی اس کے مقام سے بڑھانا صحیح نہیں اور اگر یہ بڑھانا خدائی مقام تک پہنچا دے، تو توحید کے خلاف اور شرک میں داخل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اے ہم میں سے سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے! یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

’’يَاأَيُّهَا النَّاسُ! قُوْلُوْا بِقَوْلِكُمْ، وَلَايَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ،أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُوْنِيْ فَوْقَ مَا رَفَعَنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ - وفي رواية- إِنِّيْ لَا أُرِيْدُ أَنْ تَرْفَعُوْنِيْ فَوْقَ مَنْزِلَتِيَ الَّتِيْ أَنْزَلَنِيْهَا اللّٰهُ تَعَالٰى، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ‘‘۔

اے لوگو! تم نے جتنا کہا بس اتنا ہی کہو، کہیں شیطان تم پر غالب نہ آجائے، میں تو عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں، اللہ کا رسول ہوں، میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو میرے اس درجہ اور مقام سے بلند کرو جتنا کہ اللہ نے مجھے بلند کیا ہے، ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں

نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مقام سے بڑھا دو جس مقام میں کہ اللہ نے مجھے رکھا ہے، میں تو عبداللہ کا بیٹا محمد اور اللہ کا بندہ ورسول ہوں۔ (مسند احمد: ۱۳۵۵۳، سنن کبری نسائی: ۶/۱۷، مسند عبد بن حمید: ۱/۳۹۷)

مقام غور ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے مقام سے نہ بڑھاؤ اور میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو تو کسی ولی، بزرگ، شیخ، استاذ، پیر وغیرہ کو حد سے بڑھانا اور خدائی مقام پر بٹھا دینا، ان کو حاجت روا ومشکل کشا سمجھنا اور ان سے اپنی حاجتیں مانگنا، ان کیلئے نذرانہ چڑھانا، ان کے مزاروں پر سجدے کرنا اور ان کی تعریف میں حدود کی رعایت نہ رکھنا یہ سب کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ کس قدر افسوس ہے کہ آج امت مسلمہ کا ایک طبقہ ان تمام شرکیہ اعمال وافعال میں مبتلا ہے اور اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اسی کو صحیح اسلام بھی سمجھتا اور قرار دیتا ہے اور صحیح اسلام جس میں یہ مبالغہ اور حد سے تجاوز کو منع کیا گیا ہے اس کو غلط قرار دینے کی جاہلانہ جسارت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بندہ کیوں کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ رب الارباب (تمام مالکوں کا مالک) ہے، اس سے بڑا کوئی مالک نہیں، کوئی پروردگار نہیں، کوئی شہنشاہ نہیں، کوئی حاکم نہیں، وہ احکم الحاکمین ہے، حکومت، ربوبیت، خالقیت اور بادشاہت کا آخری سے آخری درجہ اسی خدائے بزرگ وبرتر کے پاس ہے، کوئی اس سے اوپر نہیں، کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ دوسری طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے تو وہ "عبد کامل" (مکمل بندے) ہیں، یہاں عبدیت کی جو آخری سے آخری سطح ہوسکتی ہے وہ پائی جاتی ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا اور سب کو اپنا بندہ وغلام قرار دیا، مگر ان تمام بندوں میں بندگی کی صفات اور خدا کی غلامی میں جو ذات گرامی سب سے آگے گئی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، بندگی اور عبدیت کا سب سے زیادہ اور خالص مظاہرہ جس نے کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اس طرح خدائے تعالیٰ معبود کامل، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد کامل، خدا کی ربوبیت اور حاکمیت کامل

،اس میں اس کا کوئی شریک نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت اور بندگی بھی کامل، اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں، آپ خدا کے خالص بندے تھے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بغیر نام لئے جس ذات گرامی کو قرآن نے عبد (بندہ) کہہ کر پکارا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، یوں تو دیگر انبیاء کو بھی قرآن میں عبد (بندہ) کہا گیا ہے، مگر ساتھ ہی ان کا نام بھی لیا گیا ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت زکریاؑ کے لئے فرمایا گیا۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا۔

ترجمہ: یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی کا اپنے بندے زکریا پر۔ سورۂ ص میں کہا گیا۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ۔

ترجمہ: اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کیجئے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ ۔

ترجمہ: اور ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کیجئے۔

اس کے بالمقابل پورا قرآن پڑھ جایئے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاں عبد کہا گیا ہے وہاں آپ کا نام لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، خدا نے جب اپنا "بندہ" کہہ کر یاد کیا تو اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوئے، آپ کی عبدیت اس درجہ مکمل ہے کہ بندہ کہتے ہی ذہن آپ کی طرف جاتا ہے، کوئی نہیں جو اس کامل بندگی میں آپ کا شریک ہو، اسی لئے خدا آپ کو بڑے پیار ومحبت کے ساتھ اپنا بندہ کہہ کر یاد کرتا ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى۔

ترجمہ: کیا ہی پاک ہے وہ خداوند قدوس جس نے ایک رات اپنے عبد کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی۔ سورہ جن میں ارشاد ہے۔

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔

ترجمہ: اور جب اللہ کا بندہ (عبد) تبلیغ حق کے لئے کھڑا ہوتا ہے تا کہ اللہ کو پکارے تو کفار اس کو اس طرح گھیر لیتے ہیں گویا قریب ہے کہ اس پر آ گریں گے۔

سورۂ کہف کا آغاز اس آیت سے کیا گیا۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری۔

سورۂ فرقان کی پہلی آیت ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔

ترجمہ: کیا ہی پاک ذات ہے اس کی جس نے "الفرقان" اپنے بندہ پر اتارا تا کہ وہ تمام عالم کی ضلالتوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

سورۂ نجم میں ہے۔ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى۔

ترجمہ: پھر اس نے اپنے بندہ کو وحی کی جو وحی کرنا تھا۔ سورۂ حدید میں ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۔

ترجمہ: اور اللہ اپنے بندہ پر آیتیں اتارتا ہے تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے، اور بیشک اللہ تم پر بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

ایک رتبہ والے غلام کی اتباع وتابع داری دیکھئے

ایک رتبہ والے نے ایک غلام خریدا اور گھر لے کر چل دیئے غلام سے پوچھا کہ تم کیا کام کروگے؟ تو غلام نے کہا کہ جو آپ پسند کریں، بزرگ نے پوچھا تم کیا کھانا پسند کرتے ہو غلام نے کہا کہ جو مالک کھلائے جو مالک پسند کرے کہا کہ لباس کیسا پسند کرتے ہو؟ غلام نے کہا کہ جیسا مالک کو پسند ہو، سونے کی کیا عادت ہے؟ غلام نے کہا کہ جیسے مالک سلائے ویسے ہی سونا ہے

بزرگ رونے لگے فرمایا کہ بندگی تو اس غلام سے سیکھو کہ جو غلام ایک بندے کا اتنا تابع ہو وہ رب العزت کا کتنا تابع ہوگا، قرآن کریم میں جو عبد کا خطاب اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے وہ معمولی نہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بہت سارے مقامات پر عبد کا لفظ بیان فرمایا ہے اور کئی مقام پر تو اللہ تعالیٰ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ **سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلاً** ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد سے خطاب فرمایا ہے، علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ عبد سے مراد وہ بندہ اور انسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ کو بے انتہا ناز ہو وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کو بے انتہا پسند ہو، وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت وقربت رکھتا ہو، وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ پر مرمٹنا جانتا ہو وہ بندہ جس کی زبان سے نکلنے والی بات کو اللہ تعالیٰ رد نہ فرماتے ہوں ۔اس بندے کو اللہ تعالیٰ عبد کے خطاب سے نوازتا ہے۔یعنی بندگی اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت اونچی چیز کہلاتی ہے۔

بندگی اور اتباع ومحبت سے انسان کامل ہوجاتا ہے

میرے مرشد حضرت حبیب الامتؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ آقا ہیں اور انسان عبد ہے غلام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ بندگی کو اپنے خزانہ میں نہیں رکھا اللہ تعالیٰ کے خزانے میں سب کچھ ہے لیکن بندگی نہیں ہے اپنے خزانے سے بندگی کو نکال کر انسان کو عطا فرمادی کہ لے یہ تیرے پاس رہے گی اب تو جو چاہے اس کے ذریعہ سے حاصل کرلے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جب اظہار بندگی کرتے دیکھتے ہیں عاجزی اور انکساری میں مبتلا دیکھتے ہیں بندے کو جب اپنے لئے مرمٹتا دیکھتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اس بندے سے پیار کرنے لگتے ہیں، محبت کرنے لگتے ہیں، اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان کا ایمان کامل ہوتا ہے اور وہ مؤمن کہلاتا ہے، اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی پیارے انداز میں صحابہ کو سمجھایا، کیا سمجھایا؟ صحابہ کی جماعت

بیٹھی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جب تک میری ذات تمہارے مال جائداد تمہارے بیوی بچوں اور تمہارے ماں باپ حتیٰ کہ تمہاری جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جائے اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت ہو جائے کہ ماں باپ سے بھی اتنی محبت نہ ہو اولاد سے بھی اتنی محبت نہ ہو، بیوی سے بھی اتنی محبت نہ ہو، اپنی جان سے مال سے بھی اتنی محبت نہ ہو، جتنی آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تمہارا ایمان کامل ہوگا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بیوی سے بھی زیادہ عزیز، ماں سے بھی زیادہ عزیز، باپ سے بھی سے زیادہ عزیز، اولاد سے بھی زیادہ عزیز، لیکن جان سے زیادہ عزیز نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر ابھی تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے الفاظ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مقام احسان پر پہونچا دیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ واقعی یہ بات دل میں ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے محسوس کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، یعنی جان بھی آپ کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے، تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر تمہارا ایمان اب کامل اور مکمل ہو گیا۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً اے مسلمانوں تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، اس کا مطلب یہی ہے کہ جہاں دین کی بات آئے، جہاں اسلام کی بات آئے، جہاں اللہ اور اللہ کے رسول کی بات آئے وہاں ہم اپنے مال ومنال اپنی بیوی اور بچوں، اپنے ماں باپ حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی بھول جائیں اور اللہ اور اس کے رسول کا نام بلند کرنے میں لگ جائیں۔ (خطبات رحیمی جلد ہفتم، ص/26)

تجارت کی کامیابی کا راز سچائی اور صحیح مال ہے

جناب رسول اللہؐ نے تجارت کے حوالے سے مختلف مسائل بیان فرمائے اور آداب بھی۔ اس بارے میں آپؐ کی ایک جامع حدیث روایت ہوئی ہے۔ التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین کہ سچا اور دیانت دار تاجر (جنت میں) نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالح لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ محدثین فرماتے ہیں کہ اس ارشاد میں حضورؐ نے دونوں باتوں کا احاطہ کیا ہے۔ پہلی یہ کہ گفتگو میں سچا ہو، دوسرا یہ کہ مال کے معاملے میں دیانت دار ہو۔ یعنی بات طے کرتے وقت جھوٹ نہ بولتا ہو اور فروخت کے وقت مال میں گڑبڑ نہ کرتا ہو۔ یہی دو باتیں تجارت کی بنیاد ہیں کہ بات سچی ہونی چاہیے اور مال خالص ہونا چاہیے، لیکن بطور تاجران دونوں باتوں پر عمل آسان کام نہیں ہے۔ ایک تاجر کے لیے اس رتبے کا حصول ناممکن تو نہیں ہے لیکن مشکل ضرور ہے۔ گفتگو میں سچائی کے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی جو قسم اٹھا کر مال بیچتا ہے اس کا مال تو بک جاتا ہے لیکن اس میں برکت نہیں رہتی، یعنی ایسا آدمی جو قسمیں اٹھا کر اپنے مال کے متعلق لوگوں کو یقین دلاتا ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ ایک المنان وہ آدمی جو کسی کے ساتھ احسان کر کے جتلائے یعنی کسی کی مشکل میں کام آیا اور اس کے ساتھ نیکی کی لیکن بعد میں کسی موقع پر جتلا بھی دیا کہ میں نے فلاں وقت تمہارے ساتھ یہ نیکی کی تھی۔ قرآن کریم میں ہے کہ جتلانے کے ساتھ نیکی برباد ہو جاتی ہے۔ فرمایا ایسا شخص جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ دوسرے آدمی کے متعلق فرمایا مدمن الخمر شراب پر دوام کرنے والا، یعنی شراب کا عادی شخص جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ تیسرے آدمی کے متعلق فرمایا: المنفق سلعتہ

بالحلف الکاذب جھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچنے والا۔یعنی ایسا شخص بھی جنگ کی خوشبو نہیں سونگھ پائے گا جو جھوٹی قسم کے ذریعے اپنے گاہکوں کو اعتماد دلا کر خراب مال بیچتا ہو۔(سیرتِ نبویؐ،ص/26)

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ منصب خلافت سنبھالنے کے بعد خوش تھے یا رنجیدہ ومجبور

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حصے میں یہ نازک ترین ذمہ داری ایسے وقت میں آئی تھی کہ جب چہار سو شدید اضطراب اور بے چینی کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا...... ہر نئے دن کے ساتھ ہی نئی سازش اور نئی شورش جنم لیتی تھی......انہی شر انگیز قسم کے حالات میں خلیفۂ چہارم کے دورِ خلافت کا آغاز ہوا۔

اس موقع پر سب سے اہم اور نازک ترین معاملہ جو فوری طور پر درپیش تھا، وہ قاتلینِ عثمانؓ کی گرفتاری اور پھر انہیں قرار واقعی سزا دینے کا معاملہ تھا،لیکن یہ کوئی آسان معاملہ نہیں تھا،کیونکہ صورتِ حال انتہائی پیچیدہ تھی، باغی اب بھی بدستور کافی طاقتور تھے،اور پھر یہ کہ جہاں بلوہ ہو، ماردھاڑ قتل وغارتگری، افراتفری، جہاں ہزاروں انسانوں کا جمِ غفیر ہو...... وہاں تو شاید خود بلوائیوں اور فسادیوں کو بھی درست اندازہ نہیں ہوسکتا کہ کس نے کس کو قتل کیا؟ لہٰذا محض افواہ یا سنی سنائی بات کی بنیاد پر کسی کو مجرم قرار دینا،اور پھر اسے سزا بھی دینا، یہ کسی صورت مناسب نہیں تھا، بلکہ وہاں تو تمام شرعی وعدالتی تقاضوں کی تکمیل لازمی تھی۔(اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم،ص/127)

یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد اس معاملے کو فی الحال کچھ عرصہ کیلئے ملتوی کرنا مناسب سمجھا،تا کہ اس شورش زدہ ماحول میں قدرے بہتری آجائے،

مرورِ وقت کے ساتھ معاملات پر گرفت بھی نسبتاً بہتر اور مضبوط ہوجائے، مزید یہ کہ اس خونِ ناحق کے حوالے سے جو اسرار ہیں، جو پوشیدہ گوشے ہیں اور جو خفیہ حقائق ہیں، وہ قدرے کُھل کر سامنے آجائیں، تب مکمل خوداعتمادی کے ساتھ بھرپور طریقے سے اس معاملے کی طرف توجہ دی جائے۔

مگر صد افسوس کہ ہر گذرتے ہوئے لمحے کے ساتھ یہ معاملہ نازک تر اور سنگین ترین ہوتا چلا گیا، پیچیدگیاں بڑھتی ہی رہیں، جس قدر سلجھانے کی کوشش کی گئی اسی قدر الجھنیں بڑھتی گئیں، نوبت بایں جا رسید کہ ہر نئی صبح طلوع ہونے والے نئے سورج کے ساتھ ہی ایک نیا فتنہ بھی طلوع ہوجاتا۔

فتنوں اور سازشوں سے بھرپور اس گھٹن زدہ ماحول میں ایک اہم حقیقت یہ تھی کہ ان تمام تر مشکلات کی اصل آماجگاہ مدینہ سے کافی دور دراز کے علاقے تھے، اور یہ کہ یہاں اس قدر دور مدینہ میں رہتے ہوئے اس بگاڑ کی اصلاح کافی مشکل تھی، اسی حقیقت کا احساس وادراک کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے اب مدینہ سے انہی دور دراز کے علاقوں کی طرف نقل مکانی کا ارادہ کیا، تاکہ وہاں قریب رہتے ہوئے ان فتنوں کا بہتر طریقے سے قلع قمع کیا جاسکے۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے ماہِ ربیع الثانی سن ۳۶ ہجری میں مدینہ میں نوسو جانبازوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا، اور خود اس کی قیادت کرتے ہوئے ابتدائی طور پر بصرہ کی طرف کوچ کرنے کا اعلان کیا۔

اکابر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے متعدد حضراتؓ بالخصوص حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس پریشان کُن صورتِ حال میں اُن شورش زدہ علاقوں کی جانب روانگی کا ارادہ ترک کردینے کا مشورہ دیا۔

لیکن حضرت علیؓ نے اس سلسلہ میں معذرت کا اظہار کیا...... اور پھر مدینہ سے عین روانگی کے وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ آگے بڑھ کر آپؓ کے گھوڑے کی لگام

تھام لی اور اسے روک لیا، اور پھر بڑے ہی حسرت آمیز لہجے میں یوں کہا کہ: ''اے امیر المؤمنین! اگر آپ ایک بار مدینہ سے چلے گئے تو...... پھر شاید آپ زندگی میں دوبارہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ شہرِ مدینہ٬ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ مسجد٬ اور یہ منبر ومحراب...... نہیں دیکھ سکیں گے''، اس کے بعد مزید یہ بھی کہا ''اگر آپ آج اس شہرِ مدینہ کو چھوڑ کر چلے گئے...... تو پھر شاید قیامت تک دوبارہ کبھی یہ شہرِ مدینہ مسلمانوں کا دار الخلافہ نہیں بن سکے گا......'' (اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص/126)

اس پر لشکر میں سے کسی جوشیلے شخص نے آگے بڑھ کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ تلخ کلامی کی ...... جس پر حضرت علیؓ نے اسے تنبیہ کی اور اس حرکت پر ناگواری کا اظہار کیا اور پھر حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے حسبِ سابق اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کے بارے میں معذرت کا اظہار کیا...... اور پھر ان سب کی نگاہوں کے سامنے وہاں سے بصرہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

اور پھر بصرہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد وہاں سے مزید آگے کوفہ چلے گئے۔ لیکن وہاں پہنچنے کے بعد بھی صورتِ حال میں کوئی بہتری نہ آسکی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنی تمام مدتِ خلافت کے دوران روزِ اول سے روزِ آخر تک سکون کا کوئی ایک لمحہ بھی میسر نہ آسکا، پانچ سال کے عرصے پر محیط آپؓ کا یہ تمام تر زمانۂ خلافت داخلی فتنوں٬ شورشوں٬ سازشوں٬ افتراق وانتشار٬ اور خانہ جنگیوں کی نذر ہوگیا۔

مشکل در مشکل کے اس لامتناہی سلسلے کے حوالے سے ایک اہم حقیقت جسے ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ خلیفۂ چہارم امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے قبل گذشتہ خلفاء٬ بالخصوص پہلے دونوں خلفاء کو منصبِ خلافت جب ملا، اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ ان کی رعیت میں سے بہت بڑی اکثریت خود حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کی تھی، جو بڑی حد تک ان کے ہم خیال اور ہم مزاج تھے۔

اس بات کو یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح کسی کلاس روم میں بعض اوقات کوئی استاد نظم وضبط برقرار رکھنے کی غرض سے وہاں موجود طلبہ میں سے ہی کسی کو ''مانیٹر'' مقرر کر دیتا ہے۔اُس موقع پر صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ وہ مانیٹر جن طلبہ کی ''مانیٹرنگ'' یا نگرانی اور دیکھ بھال کر رہا ہوتا ہے، وہ سب اس کے اپنے دوست اور ساتھی ٗ اس کے ہم جماعت ٗ ہم عصر ٗ اور ہم عمر ہوا کرتے ہیں، وہ سب ایک ہی استاد سے تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں ، ایک ہی کتاب اور ایک ہی نصاب پڑھ رہے ہوتے ہیں، ایک ہی ادارے کے وہ طلبہ ہوا کرتے ہیں، ان کی تعلیم وتربیت ایک ہی انداز سے ہورہی ہوتی ہے، ان کی سوچ ٗ ان کے انداز واطوار ٗ ان کے خیالات وافکار ٗ ان کے اہداف ٗ ان کے ارادوں ٗ نیز ان کے اغراض ومقاصد میں بڑی حد تک مماثلت ویگانگت ہوا کرتی ہے، لٰہذا خود انہی کے اس ساتھی ''مانیٹر'' کو اپنے ان ہم جماعت طلبہ کی نگرانی ٗ یا ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی مفاہمت ٗ یا کوئی معاملہ طے کرنے میں قطعاً کوئی دشواری پیش نہیں آتی ۔

لیکن اگر کبھی بعد میں طویل زمانہ گذر جانے کے بعد اسی مانیٹر کو اپنے انہی ہم جماعت طلبہ کی بجائے ان کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ کوئی معاملہ طے کرنے کی نوبت آ جائے ، تو صورتِ حال یقینا بہت مختلف ہوگی ، یا جس طرح دو بھائیوں میں باہم کس قدر محبتیں اور قربتیں ہوا کرتی ہیں ، ہمیشہ دکھ سکھ کے ساتھی ، بلاتکلف اور بلا جھجک ہمیشہ ایک دوسرے کے سامنے صاف صاف حالِ دل بیان کر دینے والے۔

لیکن اگر بعد میں کبھی انہی میں سے ایک بھائی کو اپنے دوسرے بھائی کی بجائے اس کی اولاد کے ساتھ کوئی مفاہمت کرنی پڑے ، یا کوئی معاملہ طے کرنے کی نوبت آئے......تب یقیناوہ بات نہیں ہوگی جو خود بھائیوں میں آپس میں تھی ،قدرت کا یہی نظام ہے۔

بعینہٖ اسی طرح خلیفۂ چہارم سے قبل گذشتہ خلفاء ٗ بالخصوص پہلے دو خلفاء ٗ کے دور میں صورتِ حال یہ تھی کہ ان کی رعیت میں غالب اکثریت اکابر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی ، جو ان کے ہم

خیال اور ہم مزاج تھے، ایمان واخلاص، زہد وتقویٰ، للّٰہیت وفنائیت، فکرِ آخرت، امانت ودیانت، حق گوئی وراست بازی، دنیا کے حقیر مال ومتاع سے بے رغبتی، غرضیکہ ہر لحاظ سے ان سب کا معیار ایک ہی جیسا تھا، ان سبھی کی تربیت خود خاتم الانبیاء واشرف المرسلین نے فرمائی تھی، ان سبھی نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین براہِ راست خود اللہ کے رسول ﷺ سے ہی سیکھا تھا، آپ ﷺ کی صحبت ومعیت، کسبِ فیض کے وہ مبارک سلسلے، اور آپ ﷺ کا وہ فیضانِ نظر، یہی وہ بے مثال شرف تھا، اور یہی وہ اعلیٰ ترین اعزاز تھا، جس نے انہیں تمام بنی نوعِ انسان میں یکتائے روزگار بنا دیا تھا، لہٰذا ان گذشتہ (دو) خلفاء کو اپنے ہی ان مخلص دوستوں اور ساتھیوں پر مشتمل اپنی اس رعیت کے ساتھ مفاہمت اور معاملات طے کرنے میں، نیز انتظامی معاملات چلانے میں کسی دقت کا، کسی سازش کا، کسی شورش کا، سامنا نہیں کرنا پڑا۔

جبکہ اس کے برعکس خلیفۂ چہارم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جب منصبِ خلافت سنبھالا تو دنیا بدلی ہوئی تھی، ماحول بدلا ہوا تھا، لوگوں کے مزاج بدلے ہوئے تھے اور پھر بالخصوص مدینہ سے بصرہ اور پھر کوفہ منتقل ہو جانے کے بعد تو اس ناگوار تبدیلی میں مزید شدت آچکی تھی، مدینہ میں تو اب بھی کافی تعداد میں اہلِ خیر موجود تھے، مبارک ہستیاں بکثرت نظر آتی تھیں، لیکن سینکڑوں میل کی مسافت پر واقع اس نئی جگہ پر تو ہر طرف ناآشنا ہی نظر آتے تھے، نئی نئی شکلیں، نامانوس اور اجنبی چہرے، جن کے مزاج مختلف، انداز بدلے ہوئے، اخلاق وعادات جداگانہ، عمر رسیدہ اور تربیت یافتہ شخصیات کی بجائے نوجوانوں کی ٹولیاں ناتجربہ کار ناقص تربیت جوش عروج پر لیکن ہوش کا فقدان، مزید یہ کہ ان میں سے اکثریت نومسلموں کی، یہی وہ صورتِ حال تھی جس کی وجہ سے حضرت علیؓ اکثر بیتے دنوں کو یاد کر کے، نیز رسول اللہ ﷺ کو اور اپنے پرانے احباب کو یاد کر کے رنجیدہ وافسردہ ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کو یہ بات بخوبی یاد تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ''شہادت'' اور پھر ''جنت'' کی خوشخبری سے شادکام فرمایا تھا، لہٰذا وہ اپنے اللہ کی رضا کی خاطر صبر وشکر اور ہمت

واستقامت کے ساتھ، بس اللہ سے لَو لگائے ہوئے، سب کچھ برداشت کررہے تھے، کوئی شکوہ نہیں تھا، کوئی فریاد نہیں تھی، کوئی آہ و بکاء نہیں تھی، بس خاموشی کے ساتھ سب کچھ دیکھتے ہوئے اسی انجام کی طرف، اور اسی منزل کی جانب بڑھ رہے تھے کہ جو اس فانی و عارضی دنیا میں اکثر ''اللہ والوں'' کا مقدر رہی ہے۔

اسی لئے اُن دنوں اکثر اپنے ایک ہاتھ سے اپنی داڑھی کو تھامے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اپنی پیشانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں کہا کرتے تھے: لتخضبن ھٰذِہٖ مِن ھٰذِہٖ، یعنی ''عنقریب یہ (یعنی میری داڑھی) یہاں (یعنی میری پیشانی سے بہنے والے خون) سے رنگی جائے گی۔ (البدایہ والنہایہ، جلد: ۴۔ صفحہ: ٦)

اور پھر اسی پُرآشوب دور میں بالآخر بدنامِ زمانہ ''خوارج'' کا ایک گروہ جسے کچھ عرصہ قبل ہی ''نہروان'' کے میدان میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں بدترین اور رسواکن شکست وہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس گروہ نے اپنی اسی شکست کا انتقام لینے کی غرض سے حضرت علیؓ کے قتل کی ٹھانی......اور غور وفکر کے بعد یہ ذمہ داری ''ابن مُلجَم'' کو سونپی گئی......جو کہ اس مذموم مقصد کی تکمیل کی خاطر کوفہ جا پہنچا......اور وہاں آمد کے بعد کسی مناسب جگہ روپوش ہوکر اس ناپاک ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے خفیہ طور پر تیاری میں مشغول ومنہمک ہوگیا، وہاں قیام کے دوران ایک ماہ تک مسلسل روزانہ بلاناغہ وہ اپنی تلوار کو زہر آلود کرتا رہا، نیز اس دوران وہ حضرت علیؓ کی نقل وحرکت ودیگر معمولاتِ زندگی کا بغور جائزہ بھی لیتا رہا۔

آخر ایک روز جب ماہِ رمضان کی سترہ تاریخ تھی، نمازِ فجر سے قبل اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر سے مسجد کی طرف جانے والی گلی کے ایک موڑ پر چھپ کر بیٹھ گیا......حضرت علیؓ کا یہ معمول تھا کہ نمازِ فجر کیلئے گھر سے مسجد کی طرف روانگی

کے موقع پر اس گلی میں حَيَّ عَلَىٰ الصَّلَاۃ کی صدا بلند کرتے جاتے تھے، تا کہ جو کوئی خوابِ غفلت میں مبتلا ہو وہ اس طرف متوجہ ہو جائے اور نماز کیلئے تیاری کرے، اس چیز سے اس بدبخت کیلئے اپنے ناپاک منصوبے کی تکمیل میں مزید سہولت ہوگئی، چنانچہ جب اس نے حَيَّ عَلَى الصَّلَاۃ کی یہ صدا سنی تو وہ مزید چوکس اور خوب مستعد ہو گیا، تلوار پر اپنی گرفت خوب مضبوط کر لی، جیسے ہی حضرت علیؓ اُس موڑ پر پہنچے اس نے اچانک سامنے نمودار ہو کر اپنی اس زہر آلود تلوار سے آپؓ کے سر پر بھر پور وار کیا...... جس کے نتیجے میں آپؓ شدید زخمی ہو کر گر پڑے، اور آپؓ کے سر سے مسلسل خون بہنے لگا۔

اس المناک واقعہ سے تقریباً پینتیس سال قبل غزوۂ خندق کے یادگار اور تاریخی موقع پر جب مشرکینِ مکہ کا نامور شہسوار ''عبدوُد'' جس کی بہادری کے بڑے چرچے تھے، اور جس کی بڑی ہیبت و دہشت تھی، ایک موقع پر جب وہ خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اور مسلمانوں کے سامنے پہنچ کر انہیں للکار رہا تھا، تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس کے مقابلے کیلئے نکلنے کا حکم دیا تھا، اس حکم کی فوری تعمیل کرتے ہوئے آپؓ بلا خوف وخطر غرور وتکبر کے اُس پتلے کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے...... عبدِوُد نے آپؓ پر تلوار کا بھرپور وار کیا تھا، جس کے نتیجے میں آپؓ کے سر میں کاری زخم آیا تھا اور بڑی مقدار میں خون بہنے لگا تھا، اسی کیفیت میں آپؓ نے پلٹ کر اس دشمنِ خدا پر ایسا بھرپور وار کیا تھا کہ چشم زدن میں وہ زمین بوس ہو گیا تھا۔

پینتیس سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد اب کوفہ میں دوبارہ آپؓ کے سر میں عین اس مقام پر کہ جہاں اُس پرانے زخم کا نشان بدستور باقی تھا...... اسی جگہ اب تلوار کی ضرب لگی اور اُسی طرح بڑی مقدار میں خون بہنے لگا۔

لوگوں کو جب اس افسوسناک ترین صورتِ حال کی اطلاع ملی تو دیکھتے ہی دیکھتے وہاں جمّ

غفیر اکٹھا ہو گیا، حضرت علیؓ کو اٹھا کر گھر لے جایا گیا، جبکہ قاتل ''ابن مُلجَم'' نے جائے واردات سے فرار ہونے کی کوشش کی، تاہم وہاں موجود مجمع نے اسے موقع پر ہی دبوچ لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہونے کے بعد دو دن موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا رہے، اس دوران آپؓ نے عام لوگوں کو اور بالخصوص اپنے صاحبزادگان ودیگر اہل بیت کو متعدد وصیتیں فرمائیں، اپنے قاتل کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اگر میری موت واقع ہوگئ تو شرعی قوانین کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے صرف اسے جائز سزا دینا، اس سے زیادہ اسے یا اس کے افرادِ خانہ میں سے کسی کو کوئی گزند نہ پہنچانا اور اگر میں زندہ رہا تو میں خود فیصلہ کروں گا کہ اسے سزا دی جائے، یا معاف کر دیا جائے۔

انہی دنوں متعدد افراد نے آپؓ سے یہ مطالبہ کیا کہ ''اے امیر المؤمنین! آپ اپنا کوئی جانشین تو مقرر کر دیجئے'' مگر آپؓ نے ایسا کرنے سے معذرت کی، اور کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا۔

آخر کوفہ میں اسی قاتلانہ حملے کے نتیجے میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ۲۱ / رمضان سنہ ۴۰ ہجری تریسٹھ برس کی عمر میں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے اور اپنے اللہ سے جا ملے۔(۱) آپؓ کے صاحبزادگان حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ، نیز بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے غسل اور تجہیز وتکفین کے فرائض انجام دیئے۔ نمازِ جنازہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں آپؓ کے درجات بلند فرمائیں، نیز ہمیں وہاں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبت ومعیت کے شرف سے نوازیں۔

اللہ نے امام ابو یوسفؒ کو دھوبی کی دکان سے قاضی القضاء کے منصب تک کیسے پہنچایا

امام ابو یوسف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مایۂ ناز شاگرد رشید، ان کے علم ومسلک کے ناشر اور تین خلفائے عباسی کے قاضی رہے، ان کو سب سے پہلے قاضی القضاء کے لقب سے

ملقب کیا گیا، وہ قاضی قضاء الدنیا کہلاتے ہیں، آپ کوفہ میں 113 ھ میں پیدا ہوئے، آپ فقیہ، عالم اور حافظ تھے، آپ نے ابواسحاق شیبانی، سلیمان تمیمی، یحییٰ بن سعید انصاری، اعمش، ہشام، عطا اور محمد بن اسحاق سے حدیثیں سنیں، آپ پر امام اعظم کا مسلک غالب تھا، لیکن بہت سے مسائل میں آپ نے ان سے اختلاف بھی کیا ہے، آپ سے محمد بن حسن شیبانی، بشر بن ولید کندی، علی بن الجعد، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے روایت کی ہے، آپ بغداد میں مقیم رہے، خلیفہ ہارون رشید آپ کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کرتے تھے، آپ باکمال، شعلہ بیان مقرر تھے، آپ ہی نے علماء کے لباس میں تبدیلی کی، ان سے پہلے علماء وغیر علما کے لباس میں کوئی فرق وامتیاز نہیں تھا۔

ابوعمرو بن عبداللہ صاحب الاستیعاب نے اپنی کتاب "الانتقاء فی فضل الثلاثة الفقهاء" میں لکھا ہے کہ ابویوسف حافظ تھے اور محدثین کے پاس حاضر ہوکر پچاس ساٹھ حدیثیں سنتے تھے اور پھر وہاں سے اٹھ کر لوگوں کو املا کروادیتے تھے۔ (الانتقاء:172)

محمد بن جریر الطبری نے لکھا ہے کہ کچھ محدثین ان پر غلبۂ رائے، احکام وفروع کی تفریع، خلیفہ کی صحبت اور قاضی القضاء ہونے کی وجہ سے ان سے حدیث روایت کرنے میں احتیاط برتتے تھے، آپ کے بچپن ہی میں والد ماجد اللہ کو پیارے ہوگئے تھے، آپ نے ابتدا میں بڑی عسرت وتنگی کی زندگی گزاری ہے، معیشت میں تنگی کی وجہ سے آپ کی والدہ نے آپ کو ایک دھوبی کے یہاں اجرت پر رکھ دیا تھا، لیکن آپ بچپن ہی سے علم کے بڑے شوقین تھے، اس لیے آپ دھوبی کے یہاں نہ جاکر امام اعظم کی مجلس درس میں شریک ہوجایا کرتے تھے، جیسا کہ خطیب تاریخ بغداد میں علی بن الجعد کے حوالہ سے رقم طراز ہیں، قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میرے بچپن میں والد کا انتقال ہوگیا اور میری ماں نے ایک دھوبی کے پاس اس کی خدمت کے لیے مجھ کو پہنچا دیا، میں دھوبی کے یہاں نہ جاکر امام اعظمؒ کی مجلس درس میں شریک ہوکر درس سنتا تھا، میری ماں میرے

پیچھے آتی تھی، امام صاحب میری حاضری اور میرا علمی ذوق وشوق دیکھ کر میرا خوب خوب خیال فرماتے تھے، جب میں بار بار دھوبی کی خدمت سے بھاگنے لگا تو ایک دن میری ماں غصہ میں بھری ہوئی امام صاحبؒ کے پاس آئی اور کہا کہ آپ کے علاوہ کسی اور نے اس بچہ کو نہیں بگاڑا ہے، یہ ایک یتیم بچہ ہے اس کے پاس کچھ نہیں ہے، میں روئی کات کر اسے پالتی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ آئندہ یہ اپنے پیر پر کھڑا ہو جائے گا، امام صاحب نے فرمایا: تو نادان ہے، یہ تو پستہ کے تیل سے فالودہ کھانے کا علم حاصل کر رہا ہے۔ میری ماں اس پر بہت برافروختہ ہوئی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں امام صاحب کی مجلس میں حدیث وفقہ کا علم حاصل کر رہا تھا، میں مالی اعتبار سے خستہ حال تھا، میرے والد صاحب امام صاحب کے مجلس میں میرے پاس آئے، کہا، میرے بیٹے! تم پیران کی طرح نہ پھیلاؤ، کیوں کہ وہ خوش حال ہیں اور تم مفلس ہو، میں والد صاحب کی اطاعت وفرماں برداری میں کئی روز تک مجلس درس سے غائب رہا، پھر درس میں آنا شروع کیا، جب امام صاحب نے کئی روز کے بعد مجھے اپنی مجلس میں دیکھا تو پوچھا کہ تم کئی روز سے کہاں غائب تھے؟ میں نے جواب دیا کہ والد صاحب کی اطاعت وفرماں برداری اور معاش کی طلب میں، جب سارے لوگ مجلس سے چلے گئے تو امام صاحب نے مجھے سو درہم کی ایک تھیلی دی اور کہا اسے خرچ کرو اور جب یہ ختم ہو جائے تو مجھے بتاؤ۔ میں نے امام صاحب کو ختم ہونے کی کبھی اطلاع نہیں دی، لیکن وہ ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری تھیلی عنایت فرما دیتے تھے، میں برابر آپ کی مجلس درس اور علمی صحبت سے مستفید ہوتا رہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے علم کے ذریعہ نفع پہنچایا اور مجھے قاضی القضاء بنا دیا، میں ہارون رشید کی مجلس میں رہتا تھا اور ان کے ساتھ ان کے دستر خوان پر کھاتا تھا، ایک دن ہارون رشید کے کھانے میں فالوودہ لایا گیا تو انہوں نے کہا یعقوب! فالودہ کھاؤ، یہ کھانے میں روز روز نہیں ہوتا ہے ۔ میں نے پوچھا امیر المومنین! یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ پستہ کے تیل کے ساتھ فالودہ ہے، یہ

سن کر مجھے ہنسی آ گئی، خلیفہ نے پوچھا آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو میں نے پورا قصہ سنا دیا تو انہیں بہت تعجب ہوا اور انہوں نے کہا کہ میری زندگی کی قسم! علم دنیا وآخرت دونوں جگہوں میں نافع اور مفید ہوتا ہے، پھر امام صاحب کے حق میں رحمت ومغفرت کی دعا کی اور کہا کہ امام صاحب اپنی عقل کی آنکھ سے وہ کچھ دیکھ لیتے تھے جو ہم اپنی حقیقی آنکھ سے نہیں دیکھ پاتے۔ (تاریخ بغداد، ج14 ص:244)

طلحہ بن محمد جعفر کا مقولہ ہے کہ امام ابو یوسف بہت ہی مشہور ومصروف، صاحب علم وفضل، امام صاحب کے شاگرد رشید اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ وعالم تھے، فضل وکمال اور علم وحکمت میں ان سے بڑا کوئی بھی نہیں تھا، سب سے پہلے انہوں نے ہی امام صاحب کے مسلک کے مطابق اصول الفقہ لکھی، مسائل کی نشر واشاعت کی اور پوری دنیا میں امام صاحب نے علم وفضل کو عام کر دیا۔

عمار بن ابی مالک کہتے ہیں، امام کے شاگردوں میں امام ابو یوسف کی طرح کوئی نہیں تھا، اگر امام ابو یوسف نہ ہوتے تو امام صاحب اور امام محمد کا کوئی ذکر و چرچہ نہ ہوتا، انہوں نے ہی ان دونوں کے اقوال کو پھیلایا اور علم کو عام کیا۔

امام صاحب کے شاگرد امام محمد بن الحسن فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ میں امام ابو یوسف ایسا بیمار ہوئے کہ ان کے بارے میں اندیشہ ہونے لگا تو امام صاحب اور ہم لوگوں نے ان کی عیادت کی، امام صاحب عیادت سے فارغ ہو کر جانے لگے تو ان کے گھر کے دروازہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمایا، اس نوجوان کی موت ایک ایسے آدمی کی موت ہوگی جو روئے زمین کا سب سے بڑا عالم ہے۔ (تاریخ بغداد، ج14 ص:246)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اعمش نے کسی مسئلہ کے بارے میں مجھ سے پوچھا، میں نے جواب دیا تو انہوں نے پوچھا کہ تم نے یہ بات کہاں سے کہی؟ میں نے جواب دیا کہ آپ کی

روایت کی ہوئی حدیث سے، پھر وہ حدیث بیان کی، تو انہوں نے کہا یعقوب! میں تمہاری پیدائش سے پہلے سے اس حدیث کا حافظ ہوں، لیکن اس کی تاویل آج سمجھ میں آئی۔ (تاریخ بغداد)

ہلال بن یحییٰ تاریخ الخطیب میں لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف تفسیر، مغازی اور ایام عرب کے حافظ تھے، سارے علوم کے مقابلہ میں ان کا سب سے کم علم علم فقہ ہی تھا۔ (تاریخ الخطیب)

حماد بن ابی حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام ابوحنیفہ کے دائیں ابو یوسف کو اور بائیں امام زفر کو کسی مسئلہ میں بحث ومباحثہ کرتے ہوئے دیکھا، دونوں ایک دوسرے کے قول کو دلائل وبراہین کی روشنی میں ادا کر رہے تھے، یہی سلسلہ ظہر کی نماز تک جاری رہا، جب ظہر کی اذان ہوئی تو امام صاحب نے اپنا ہاتھ امام زفر کی ران پر مارا اور کہا کہ اس شہر میں ریاست کی امید نہ رکھو جس میں امام ابو یوسف موجود ہوں۔ (تاریخ بغداد: 247)

داؤد بن رشید سے مروی ہے کہ اگر امام اعظم کا امام ابو یوسف کے علاوہ اور کوئی بھی شاگرد نہ ہوتا تب بھی ان کے فخر کے لیے امام ابو یوسف کافی تھے، کیوں کہ میں نے علم کے ہر باب میں انہیں اس طرح بات کرتے ہوئے دیکھا گویا کہ وہ علم کلام، فقہ اور حدیث کے بحر بیکراں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ (مناقب ابی حنیفہ: 410)

آپ بلا کے ذہین تھے اور آپ کا قوت حافظہ بڑا قوی تھا، ابو نجدہ سے مروی ہے کہ جب آپ نے رشید کے ساتھ حج کیا اور مدینہ منورہ تشریف لائے تو رشید نے کہا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار قدیمہ کو دیکھنا چاہتا ہوں، تو امام ابو یوسف نے واقدی کو رات میں بلوایا اور تاریخی مقامات کا مشاہدہ کیا، پھر صبح رشید اور دوسرے فقہا کے ساتھ سوار ہو کر زیارت کے لیے گئے اور کہنے لگے یہ فلاں تاریخی جگہ ہے، اس جگہ کی یہ تاریخی اہمیت ہے۔ واقدی کہتے ہیں کہ میں ان کے قوت حافظہ اور ذہانت پر حیران وششدر رہ گیا کہ رات میں مجھ سے معلومات حاصل کی اور دن میں اس کو رائج کر دیا۔ (مناقب ابی حنیفہ: 414)

امام ابو یوسفؒ کے ملفوظات میں سے ہے: اس شخص کی صحبت جو عار سے نہیں ڈرتا ہے قیامت کے دن باعث عار ہوتی ہے۔

درس عبرت اس واقعہ سے یہ ہے کہ اگر انسان میں نیک نیتی، سچی لگن اور بلند جذبات ہوں تو پھر سعادتمندی اور خوش نصیبی خود اس کا استقبال کرتی ہے، دیکھئے امام ابو یوسفؒ کو قدرت نے جھونپڑے سے نکال کر بادشاہ کے محلوں کو زینت ورونق اور رشک سلاطین بنادیا۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔

حب جاہ کی تعریف

حب جاہ کا حاصل یہ ہے کہ جیسا خود کو دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھے بڑا سمجھیں اور تعظیم واطاعت وخدمت کریں اس کا منشاء اور چشمہ تکبر وعجب ہی ہے۔

حب جاہ کا نقصان حرص سے بڑھا ہوا ہے

حب جاہ کی تباہ کاریاں حرص مال سے بھی بڑھ کر ہیں، آدمی کے دل میں دنیا کی سربلندی ،رفعت وعلو اور لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش کا ہونا، ہوسِ زر کے مقابلے میں زیادہ خطرناک اور مضر ہے اور اس سے دامن اسی کا بچتا ہے جو باتوفیق ہوتا ہے۔ بسا اوقات آدمی جاہ ومرتبہ کے حصول کیلئے مال کی قربانی کو بخوشی گوارہ کرلیتا ہے۔

حصول جاہ ومرتبہ کی خطرناک ترین صورت جس سے آخرت برباد ہوتی ہے

حب جاہ کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ حکومت وریاست اور دولت وثروت کو ذریعہ بنا کر جاہ ومرتبہ کی خواہش پوری کی جائے یہ بہت خطرناک حالت ہے، اس حالت میں عموماً آخرت سے آدمی محروم ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَّالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

یہ دارآخرت ہم اسے ان لوگوں کے حصے میں لگاتے ہیں جو زمین میں برائی اورخرابی نہیں چاہتے، اوراچھاانجام متقیوں کے لئے مخصوص ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ آدمی حکومت وریاست حاصل کر کے جاہ ومرتبہ کی خواہش پوری کرے اور پھر اسے حق و انصاف کی بھی توفیق میسر ہو، ایسا شخص اللہ رب العزت کی حمایت ونصرت سے محروم ہوجاتا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ارشادفرمایا کہ:

''اے عبدالرحمٰن! حکومت اورسرداری کا سوال مت کرو، اگرتم نے مانگ کراسے حاصل کیا، تواسی کے حوالے کردئے جاؤ گے (یعنی اس میں ایسا الجھو گے کہ خلاصی مشکل ہوگی) اوراگر بے مانگے زبردستی گلے لگادی جائے توخدا کی جانب سے تمہاری مدد کی جائے گی۔''

علمائے سلف میں سے بعض کا ارشاد ہے کہ حکومت کا حریص کبھی انصاف نہیں کرسکتا۔ یزید بن عبداللہ بن موہب نیک اورانصاف ورقاضی تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ جس شخص کا دل مال وجاہ کی حرص میں مبتلا ہوگا، اوراس باب میں تغیرانقلاب سے ڈرتا ہوگا، وہ کبھی انصاف نہیں کرسکتا۔

آدمی عہدہ ملنے سے پہلے بھی پریشانن اور بعد میں بھی پریشان رہتا ہے

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ عہدہ اورمنصب کی لالچ، کئی طرح کی حرص وہوس کا مجموعہ ہے، عہدہ حاصل کرنے سے پہلے آدمی اس کے اسباب وذرائع کی لالچ اوران کی طلب میں گرفتار ہوتا ہے، اورعہدہ حاصل ہوجانے کے بعداس کے بقاءواستحکام کی حرص اسے ظلم وتکبر جیسی ہلاکتوں میں گرادیتی ہے۔

انسان کے اندر مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت زیادہ ہوتی ہے

چونکہ حبِ جاہ سے مال بھی حاصل ہوسکتا ہےاورنہ کوئی اِس کو چرا سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے اور مال کے ذریعہ سے بسااوقات جاہ حاصل نہیں ہوتااور مال میں چوری کااورلوٹ کا خطرہ بھی رہتا ہے اس

لیے حبِ جاہ کا درجہ حبِ مال سے بڑھا ہوا ہے چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو لامحالہ لوگ اُس کی تعریفیں کرتے اور دوسروں کو اِس مضمون میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں اور جب اُن کو اِس کی دھن لگ جاتی ہے تو بسا اوقات کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پس اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار حبِ جاہ میں بلا تکلف و بلا مشقت کامیابی ہو جاتی ہے برخلاف اِس کے مال کے جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی خاطر خواہ مال جمع ہونا مشکل ہوتا ہے اس وجہ سے انسان کو مال کی نسبت جاہ کی محبت وخواہش زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقرا بھی حبِ جاہ میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ (ماہنامہ انوار مدینہ لاہور، ص 38)

حبِ جاہ کے مرض میں وہی گرفتار ہوتا ہے جس کے دل میں دوسرا خدا بننے کا شوق ہوتا ہے

حبِ جاہ کے بکثرت ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر آدمی کو اپنی بڑائی اور عزت کی بالطبع خواہش ہوتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ میں ایسا بے مثل و یکتائے روزگار ہوں کہ بس میں ہی میں ہوں حالانکہ یہ حقیقتِ الٰہیہ ہے اور خداوند تعالیٰ ہی کو شایانِ شان ہے کیونکہ یکتائی اُس کی شان ہے اور تمام مخلوق اس واجب الوجود کے نورِ قدرت کا پرتو ہے پس جو انسان حبِ جاہ کے مرض میں گرفتار ہے وہ گویا اللہ عزاسمہ کے ہم پلہ ہو جانے کا خواہشمند اور اس کے ساتھ نسبت کے قائم رکھنے سے ناراض ہے جو دھوپ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے گویا اس کا نفس فرعون کی طرح (اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی) میں ہی تم سب کا بڑا پروردگار ہوں" پکار رہا ہے کہ بس اتنا فرق ہے کہ فرعون نے یہ کلمہ زبان سے لوگوں کے سامنے کہہ دیا تھا اور دوسرے لوگ اِس کو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں مگر چونکہ شانِ یکتائی کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی اور اِس آرزو میں

کامیاب ہونا محال ہے اس لیے انسان کا نفس چاہتا ہے کہ مستقل وجود میں کامیاب نہ ہوتو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ ساری مخلوق پر قبضہ ضرور حاصل ہو جائے کہ جس شے پر جو چاہوں تصرف کروں مگر چونکہ آسمان ستاروں پہاڑ سمندر اور دوسری بڑی مخلوقات پر قبضہ ہونا دُشوار نظر آیا اس لیے ذرا نیچے اُتر کر اُس کا متمنی نظر آیا کہ صرف زمین ہی کی مخلوق پر مالکانہ تصرف حاصل ہو جائے یعنی حیوانات مسخر (تابع) ہو جائیں اور معدنیات (کان سے نکلنے والی چیزیں) ونباتات تابع فرمان بن جائیں اوران علویاتِ آسمانی (آسمان والی چیزیں) اور بڑی مخلوقاتِ ارضی (زمین والی چیزیں) کی جن پر مالکانہ تصرف حاصل ہونا ناممکن ہے پوری واقفیت اور تحقیق تام (پوری) حاصل ہو جائے تاکہ ہاتھ کا قبضہ نہ ہوتو علم ہی کا قبضہ قائم رہے اور دنیا کی آبادی میں سے ذوی العقول مخلوق (عقل والی) یعنی انسان اپنے قلوب کے اعتبار سے میرے مطیع وفرماں بردار بن جائیں کہ میری عظمت و بڑائی کے ساتھ معتقد ہو کر مجھ کو صاحبِ کمال سمجھنے لگیں، ہاتھ باندھے ہوئے میری تعظیم کریں اور میری شہرت کا آوازہ ان ملکوں تک پہنچ جائے جہاں میں خود نہیں پہنچ سکتا، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّ ةَ اِلَّا بِاللّٰہْ ۔

انسان ایک دن مرنے والا ہے اور جاہ وشہرت مرنے کے بعد ختم ہو جائے گی پس اگر یہ ناپائیدار شہرت حاصل بھی ہوئی اور مخلوق میں عزت اور جاہ بھی مل گئی تو کیا ہوا؟ یہ تو کوئی خوبی اور کمال کی بات نہیں کمال تو ایسی چیز کا حاصل کرنا ہے کہ جس میں موت کوئی خلل یا کمی نہ پیدا کرے اور وہ معرفت الٰہی ہے کہ صاحب معرفت شخص دنیا سے انتقال بھی کر جائے تب بھی معرفت کے بے شمار مراتب میں اسی کی ترقی رہتی ہے لہٰذا اس رعونت (تکبر) اور طلب شہرت کا علاج کرو اور اس کی محبت دل سے نکالو یوں سمجھو کہ اگر مثلاً تمام دنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کتنے دن کے لئے آخر ایک دن وہ ہوگا کہ نہ تم باقی رہو گے اور نہ سجدہ کرنے والے باقی رہیں گے تعجب ہے کہ زمانہ تو

تمہارے ساتھ یہاں تک بخل کرتا ہے کہ شہر یا قبضہ تو درکنار تمہارے محلہ پر بھی تم کو پورا قبضہ نہیں دیتا اور تم زمانہ کی ہمدردی میں ایسے ڈوبے کہ دائمی نعمت اور جاوید سلطنت چھوڑنے پر راضی ہو گئے کہ دنیا کی اس مکدر و حقیر شہرت اور چند ایسے احمق وضعیف لوگوں کی تعظیم وتکریم پر نازاں ہو گئے جس کو نہ کسی کی موت وحیات کا اختیار ہے اور نہ کسی کے ضرر اور نفع پر دسترس ہے اور اس کی بدولت اس پائیدار عزت اور عالم ملکوتی کی شہرت کو کھو بیٹھے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی برگزیدہ و پاک مخلوق یعنی فرشتوں میں تمہیں حاصل ہوتی ہے۔ (گناہوں کے انبار، ص/32)

تھوڑی سی جاہ اپنے بچاؤ کیلئے اللہ سے مانگ لو مگر درویشانہ یا عالمانہ صورت اختیار کر کے اس کو مت حاصل کرو

یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ کا محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور ظالم حاکموں کے دست برد سے بے خوف ہو کر باطمینان قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہٰذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں، بلکہ اتنی جاہ کیلئے اللہ سے دعا بھی کرنی چاہئے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی، مگر اس کے ساتھ ہی اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ بقدر ضرورت جاہ اپنی عبادتوں میں ریاء اور دکھاوا کر کے نہ حاصل کرے کیونکہ ریاء حرام ہے نیز متقی اور صوفی کی صورت بنا کر بھی مخلوق کو دھوکہ نہ دو کیوں اگر درویشانہ یا عالمانہ صورت کی بدولت مخلوق میں عزت حاصل کرو گے تو اللہ کے نزدیک مکار سمجھے جاؤ گے کہ جو مضمون قلب کو حاصل نہ ہو اور محض صورت بنا کر اس کا اظہار کیا جائے وہ دھوکہ اور مکر کہلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دھوکہ حرام ہے بہر حال طلب جاہ بڑی خطرناک چیز ہے کیونکہ اس کی ہوس انسان کو ایک حالت پر قناعت نہیں کرنے دیتی پس اگر سچ پوچھو تو دین انہی لوگوں کا محفوظ ہے جن کا حال اتنا مخفی و پوشیدہ ہے کہ ان کو کوئی جانتا ہی نہیں کہ وہ کس رتبہ کے ہیں۔ (تبلیغ دین، ص127)

ضرورت سے زیادہ دنیا کا طالب سمندر کے کھارے پانی کو پینے والے کے مانند ہے

بعض لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا بدن کتنا ہی دنیا میں مصروف رہے مگر ہمارا قلب دنیا سے فارغ اور خالی رہتا ہے یادرکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے بھلا کوئی شخص دریا میں چلے اور پاؤں نہ بھیگے یہ کیسے ہوسکتا ہے اگر تم کو دنیا کی طلب ہوگی اور ضرورت سے زیادہ دنیا کمانے کی تدبیروں میں لگے رہو گے تو ضروری بات ہے کہ پریشان رہو گے اور دین کو ہاتھ سے کھو بیٹھو گے یہ بھی جان لو کہ دنیا کی طلب کبھی ختم نہ ہوگی اور اس کی حرص ہمیشہ بڑھتی رہے گی کیونکہ دنیا کی مثال سمندر کے کھارے پانی کی سی ہے کہ جتنا پیو گے اسی قدر پیاس زیادہ لگے گی بھلا جو چیز ایک دن تم سے چھوٹ جانے والی ہے اس میں مصروف ہونا اگر اپنے رنج کا سامان کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے میں نہایت نرم ہے مگر منہ میں قاتل ومہلک زہر لیے ہوئے ہے اس بے وفا کی مفارقت یقینی ہے لہٰذا اس کے ہاتھ آ جانے پر خوش ہونا اور ہاتھ نہ آنے پر رنج وملال کرنا دونوں فضول ہیں دنیا کے زر ومال کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے جہاں ہمیشہ رہنا نہیں وہاں اطمینان کیسا؟ (گناہوں کے انبار، ص/178)

حکومت اشاعت اسلام کیلئے معاون ہے، مگر اسلام حسن اخلاق سے پھیلا ہے

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا: میں مکہ گیا، علماء کو جمع کیا، امت کی تنزلی کے اسباب پوچھے سب نے ادھر ادھر کے اسباب بیان کئے کہ حکومت نہیں ہے، بھلا حکومت سے اسلام کا کیا تعلق؟ حکومت سے اسلام نہیں پھیلا، اسلام سے حکومت پیدا ہوئی۔ (ارشادات ومکتوبات ص:۲۷)

تشریح: یہ تو مخالفین اسلام کا اسلام پر غلط اعتراض اور الزام ہے کہ اسلام حکومت کے دباؤ اور تلوار کے زور سے پھیلا ہے، نہیں نہیں، اسلام تو صفائی معاملات اور حسن اخلاق سے پھیلا ہے، سیکڑوں

واقعات اس پر شاہد ہیں، البتہ جب اسلام پھیل گیا، اہل اسلام کی قوت و کثرت ہوگئی تو اسلامی حکومت بھی اللہ تعالیٰ نے قائم فرمادی، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم صحیح معنی میں سچے پکے مومن بن جاؤ گے تو ہم تم کو تمکین اور خلافت فی الارض سے سرفراز کریں گے، یعنی تم کو غلبہ، حکومت واقتدار بھی دیں گے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوْا لصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِیْ الاَرْض،(الآیۃ پ:۱۸)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تمام مسلمانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ تم اپنے اعمال واخلاق کو درست کرلو، اسلام کی ترقی خود بخود ہو جائے گی، حکومت تمہاری ہو یا غیروں کی تمہارے اعمال واخلاق ایسے ہونا چاہئے جو خود غیروں کے دلوں میں اسلام و اہل اسلام کی محبت پیدا کردیں۔

یہ صحیح ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو اسلامی حکومت کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتے، مثلاً چوری، زنا، قتل، شراب نوشی کی سزا، اور حدود وقصاص کا نفاذ، اسلامی حکومت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس معنی کر یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ بہت سے اسلامی قوانین کی تنفیذ حکومت کے ذریعہ ہوئی، اور اسلام کا ایک حصہ حکومت سے پھیلا، اس پہلو سے ہم کو اسلامی قوانین کے نفاذ اور پورے طور پر اسلامی احکام کو جاری کرنے کے لیے اسلامی حکومت کی بھی ضرورت ہے۔ البتہ اسلام کے دوسرے احکام اور توحید ورسالت کی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت مسلمانوں کے حسن اخلاق اور صفائی معاملات ہی سے ہوتی ہے اور حکومت اسلامیہ کا قیام بھی اسی سے ہوگا۔

اس لئے مسلمانوں کو اپنے صفائی معاملات اور حسن اخلاق کی طرف خصوصی توجہ دینا چاہئے، اپنے اعمال واخلاق اور عادات کو درست کرنا چاہئے، یہی دعوت وتبلیغ کا اہم مقصد ہے اس کی برکت سے ان شاء اللہ اسلام کی اشاعت بھی ہوگی۔ اور حکومت واقتدار حاصل نہ ہونے کی

صورت میں ہم ان احکام پر عمل نہ کرنے کے مکلف ہی نہیں جو حکومت اسلامیہ کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے، مثلاً حدود وقصاص کا اجراء ونفاذ۔

آپ کا منصب پھولوں کا سیج نہیں بلکہ دائرہ خارزار ہے

سرکاری ملازم امین ہے اور سرکاری منصب امانت ہے اور اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر اجر وثواب ہے اور کوتاہی پر عقاب ہے۔ اس پہلو سے حکومتی طبقات اور سرکاری ملازمین بڑی ذمہ داری تلے دبے ہوئے ہیں اور وہ اسی صورت اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب وہ خلوص کے ساتھ اپنے قرآنی فرائض سرانجام دیں۔ یہ منصب پھولوں کا سیج اور عیش وعشرت کا گل زار نہیں، بلکہ خارزار ہے۔ حکومت کے ملازمین اگر اپنے فرائض کو چھوڑ کر ذکر ونوافل یا تسبیح وتلاوت میں مصروف رہیں گے تو خدا کے ہاں غافل اور مجرم شمار ہوں گے۔ فرائض، واجبات اور مؤکدات کے بعد ان کی بہترین عبادت یہی قرار دی گئی ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ اپنے محولہ فرائض انجام دیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا جو قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے اس کا حاصل کیا ہے؟ یہی کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے عبادت خانہ کا دروازہ بند کر کے یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ وتعلیم فرمائی۔ عمال حکومت کی حیثیت امین ہونے کے ساتھ اجیر کی بھی ہے یعنی پوری قوم نے ایک ذمہ داری ان کے سپرد کی ہے اور وہ از روئے شرع اور قانون عوام کو جواب دہ ہیں۔ (حلال وحرام چند اہم مباحث، ص/ 21)

اسلام میں عہدہ اور منصب خدا کی جانب سے بندہ کے سر پر ایک عظیم امانت ہے، جس میں خیانت اور کوتاہی کرنے والا ہر موڑ پر پکڑا جائے گا

کسی بھی معاشرہ کو ظلم و زیادتی سے پاک کرنے، اس میں باہمی اعتماد واعتبار، عدل و انصاف اور امن وسکون کی فضا قائم کرنے میں جن اقدار کا اہم رول ہوتا ہے ان میں سے ایک

امانت داری بھی ہے۔ یہ ایک ایسی بنیادی قدر ہے جسے کسی سماج کے ہر ایک فرد کے اندر پیدا کئے بغیر اس سماج کو خوف، عدم اعتمادی، خیانت، دھوکہ دھڑی اور ظلم و زیادتی جیسی برائیوں سے پاک نہیں کیا جا سکتا اور تمام طرح کی مالی فراوانی اور دنیوی وسائل کی موجودگی کے باوجود اس میں چین و سکون اور عافیت کی زندگی گزارنا ممکن نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے ہر دور اور ہر معاشرہ میں خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب اور تہذیب سے ہو، امانت داری کو پسند کیا گیا ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور دنیا کو زندگی گزارنے کے لئے ایک بہتر جگہ بنانا اس کے مقاصد میں سے ہے اس لئے انسانیت کی اس ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے اس میں امانت داری کو ایک اہم مقام عطا کیا گیا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امانت داری کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ آپؐ اپنے خطبوں میں اکثر فرمایا کرتے تھے:

''لا ایمان لمن لا امانۃ لہ و لا دین لمن لا عہد لہ۔

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان، بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان بروایت انسؓ)

اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں''۔

قرآن کریم میں بھی امانت کی ادائیگی پر سخت تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ۔ (النسآء:58)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمھیں اللہ کر رہا ہے، بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے''۔

نیز فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡخَآئِنِیۡنَ ۔ (الانفال:8)

''بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا''۔

اس کے ساتھ ہی امانت داروں کے لئے قرآن میں جنت کی بشارت دی گئی ہے جو بڑی کامیابی کی ضمانت ہے۔ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۔ أُوْلَئِكَ فِيْ جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۔(المعارج:32-35)

''اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں، اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، یہی لوگ (بہشت کے) باغات میں مکرم ومعزز ہوں گے''۔

ان ارشادات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صفت امانت داری اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کتنی اہم اور پسندیدہ چیز ہے۔لیکن دوسری اقوام کا تو کیا گلہ کیا جائے، خود مسلمانوں کے اندر اب یہ صفت عنقا ہوتی جارہی ہے۔عوام تو عوام، تعلیم یافتہ اور خواص کے طبقے میں بھی یہ صفت ناپید ہوتی جارہی ہے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ فسادات کی نذر ہوتا جارہا ہے۔اس کی ایک بڑی وجہ جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے تئیں ہماری عدم وفاداری اور اسلامی اقدار سے ہماری مجرمانہ روگردانی ہے وہیں اس کی دوسری وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے امانت داری کا ناقص فہم وتصور بھی ہے۔عام طور پر امانت اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کسی کو ذمہ دار اور امین بنایا جائے یا جس کے سلسلہ میں کسی پر اعتبار کیا جائے۔اس لئے امانت داری کے سلسلہ میں لوگوں کا ذہن صرف اس طرف جاتا ہے کہ اگر کسی نے کچھ روپیہ یا مال واسباب یا دیگر کوئی اور چیز ہمارے پاس رکھ چھوڑا ہے تو ہم اس کے امین ہیں اور جب وہ اسے طلب کرے تو بلا کسی کمی کے ہم اسے واپس کردیں۔ بلاشبہ یہ بھی امانت داری ہے لیکن اسلام میں امانت داری کا تصور یہیں تک

محدود نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔'امانت' دراصل ایک وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے جس کے دائرہ میں اللہ کے وہ تمام حقوق بھی آتے ہیں جو بندوں پر عائد ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کفارہ، نذر وغیرہ اور بندوں کے آپس کے وہ تمام حقوق بھی شامل ہیں جو ایک دوسرے پر عائد ہیں جنہیں حقوق العباد کہا جاتا ہے۔اس فکر پر سورۃ الانفال کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَخُونُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُواْ أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (الانفال۔:27)

یعنی ''اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ کی اور رسولؐ کی اور خیانت نہ کرو اپنی امانتوں میں جب کہ تم جانتے ہو''۔

یہاں اللہ اور رسولؐ کی خیانت کرنے سے باز رہنے سے مراد ان کے حقوق کو تلف کرنے سے باز رہنا ہے۔درحقیقت انسان کا مال واسباب، اس کی صحت وتندرستی بلکہ پوری زندگی ہی اللہ کی امانت ہے کیوں کہ اللہ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ۔(التوبۃ:111)

یعنی ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی''۔

جب جان اور مال دونوں بک گئے تو اب جو یہ چیزیں ہمارے پاس موجود ہیں وہ اللہ کی امانت ہی ہوئیں اور اللہ نے اپنی عنایت سے ان میں تصرف کا اختیار دیا ہوا ہے تو ان میں اللہ کی منشاء کا خیال رکھنا واجب ہے۔

اسی طرح امانت داری کا اطلاق سیاسی اور انتظامی امور میں بھی ہے؛ ہر چھوٹا بڑا عہدہ امانت ہے اور ایک کلرک سے لے کر صدر مملکت تک ہر چھوٹے بڑے حکام، ملوک، رؤسا، وزراء

سب امانتدار ہیں، ان پر لازم ہے کہ جو عہدے انہوں نے اپنے ذمہ لئے ہیں ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے دئے گئے اصولوں کی روشنی میں پوری کریں، ان سے عوام کے جو حقوق وابستہ ہیں ان کا خیال رکھیں اوران میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں۔ ان میں جو کوئی بھی خیانت کا مرتکب ہوگا، گنہگار ٹھہرے گا اور بوقت حساب پکڑا جائے گا۔اسی طرح مسجدوں کے متولی، امام و مؤذن، مدرسوں کے مدرسین ومہتمم،عصری تعلیمی اداروں کے اساتذہ وسربراہان، دار القضاء کے قاضی، بیت المال کے نگراں، اوقاف کے ذمہ داران،فلاحی اداروں کے سکریٹری ومنتظمین یہ سب امانتدار ہیں۔ان سب پر یہ لازم ہے کہ اپنے دائرہ اختیار میں آنے والی ذمہ داریوں کوحسن وخوبی کے ساتھ ادا کریں بصورت دیگر اللہ کے سامنے جوابدہی کے لئے تیار رہیں۔

عہدوں کا امانت ہونا صرف منطقی طور پر ہی نہیں بلکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صراحتاً بھی ثابت ہے۔مشہور صحابی ابوذرؓ نے ایک بار آپؐ سے امارت (سرکاری عہدہ) کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَبَا ذَرٍّ اِنَّکَ ضَعِيْفٌ وَ اِنَّهَا أَمَانَةٌ وَ اِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَ نَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَ أَدَّى الَّذِى عَلَيْهِ فِيْهَا ۔(صحیح مسلم،کتاب الامارۃ،باب کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، بروایت ابوذرؓ)

’’یعنی‘‘ اے ابوذرؓ! تو کمزور ہے اور بلاشبہ یہ (امارت) امانت ہے اور یہ قیامت کے دن کی رسوائی اورشرمندگی ہے سوائے اس شخص کے جس نے اس کے حقوق پورے کئے اوراس سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اس پر عائد تھیں اس کو ادا کیا‘‘۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف عہدوں کو امانت بتایا بلکہ اس بات کی طرف اشارہ بھی دیا کہ جو شخص کسی منصب کی متعلقہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اسے اس منصب سے باز رہنا چاہیے کیوں کہ آخرت میں وہ اس کی رسوائی کا سبب بن سکتا

ہے۔ بروز جزا اللہ رب العزت ایک ایک عہدہ دار اور ذمہ دار سے اس کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں حساب لینے والا ہے۔ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، فَالْاَمِيْرُ الَّذِى عَلَى النَّاسِ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَ هُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُمْ، وَ الرَّجُلُ رَاعِى اَهْلَ بَيْتِهٖ وَ هُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَ وَلَدِهٖ وَ هِىَ مَسْؤُولَةٌ عَنْهُمْ، وَ عَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَ هُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (صحیح ابن حبان، کتاب السیر، باب ذِكْرُ الْبَيَانِ بِاَنَّ الْاِمَامَ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الَّتِىْ هُوَ عَلَيْهِمْ رَاعِى، بروایت عبداللہ بن عمرؓ)

''یعنی ''تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ لوگوں کا حکمراں ان کا نگراں ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور آدمی اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کی اولاد کی نگراں ہے اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور آدمی کا غلام (خادم) اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا، پس تم میں سے ہر ایک شخص نگراں ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا''۔

ایک دوسری حدیث میں ان سوالات کی نوعیت کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ اَحَفَظَ اَمْ ضَيَّعَ۔ (صحیح ابن حبان، کتاب السیر، باب ذِكْرُ الْاِخْبَارِ بِسُؤَالِ اللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا كُلَّ مَنِ اسْتَرْعَى رَعِيَّةً عَنْ رَعِيَّتِهٖ، بروایت انسؓ)

''یعنی'' بے شک اللہ تعالیٰ ہر نگراں سے اس کی نگرانی کے بارے میں سوال کرے گا کہ کیا اس نے اس کی حفاظت کی ہے یا اسے ضائع کر دیا ہے''۔

معاشرتی، سیاسی اور انتظامی امور میں امانت داری کا یہی وہ تصور ہے جو اسلامی اور غیر

اسلامی معاشرت و نظام حکومت میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔اسلامی نظام میں جہاں عہدے اور ذمہ داریاں امانت تصور کئے جاتے ہیں وہیں غیر اسلامی نظام میں انہیں مراعات سمجھا جاتا ہے جو خدا کے سامنے جوابدہی کا تصور نہیں ہونے کی وجہ سے لازماً خیانت کی طرف لے جاتا ہے۔حکومتی عہدوں میں رہ کر جو لوگ عدل وانصاف کا معاملہ نہیں کرتے،عوام کے جو حقوق ان سے وابستہ ہیں انہیں ادا نہیں کرتے اور ان کے ساتھ احسان وخیر خواہی کا معاملہ نہیں کرتے ان کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بہت سخت ہیں۔آپؐ نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ اِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔(صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب مَنِ اسْتُرْعِیَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَنْصَحْ، بروایت معقل بن یسارؓ)

''یعنی''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو کسی رعیت کا حاکم بناتا ہے اور وہ خیر خواہی کے ساتھ اس کی حفاظت نہیں کرتا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا''۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مَا مِنْ وَالٍ يَلِى رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوتُ وَ هُوَ غَاشٌّ لَهُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔(صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب مَنِ اسْتُرْعِیَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَنْصَحْ، بروایت معقل بن یسارؓ)

''یعنی''اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی (حاکم) بنایا گیا اور اس نے ان کے معاملہ میں خیانت کی اور اسی حالت میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے''۔

اسی طرح جو لوگ نظام قضا (Judiciary) یا منصب قضا (Post of Adjudicator) سے وابستہ ہوں وہ بھی بدرجہ اولیٰ امانت دار ہیں۔ان پر یہ ذمہ داری عائد ہے کہ قوانین وشواہد کی روشنی میں سیاسی دباؤ اور ذاتی مفادات سے بلند ہو کر عدل و انصاف کو قائم کریں۔یہ کوئی معمولی کام نہیں بلکہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جس پر ملک میں امن وسکون کے قیام

کا انحصار ہے، اس میں خیانت کی وجہ سے انصاف سے محروم افراد قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہو سکتے ہیں اور مختلف قسم کے فساد پھیلا کر ملک کا امن وسکون غارت کر سکتے ہیں جیسا کہ موجودہ عالمی منظر نامہ عکاسی کر رہا ہے۔ظاہر ہے یہ اسلام کے ایک بنیادی مقصد یعنی ’’دنیا کو زندگی گزارنے کے لئے ایک بہتر جگہ بنانا‘‘ کے خلاف ہے اس لئے اس میں خیانت اللہ اور اس کے رسول کو کیسے پسند ہو سکتی ہے؟ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں اس ذمہ داری کو پورا کرنا ایک مشکل امر رہا ہے۔اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا گیا (گویا) وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا‘‘۔(سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، باب فی طلب القضاء، بروایت ابو ہریرہؓ)

بغیر چھری کے ذبح کرنے میں جانور کو تکلیف اور مشقت چھری سے ذبح کرنے کے مقابلہ میں یقیناً زیادہ ہوگی۔تو اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ جسے قاضی بنایا گیا اسے انتہائی مشقت اور آزمائش میں ڈال دیا گیا۔آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ’’قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں؛ ایک جنتی اور دو جہنمی۔رہا جنتی تو وہ ایسا شخص ہوگا جس نے حق کو جانا اور اسی کے موافق فیصلہ کیا، اور وہ شخص جس نے حق کو جانا اور اپنے فیصلہ میں ظلم کیا وہ جہنمی ہے۔اور وہ شخص جس نے نادانی سے لوگوں کا فیصلہ کیا وہ بھی جہنمی ہے‘‘۔(سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، باب فی القاضي یخطئ، بروایت ابو ہریرہؓ)۔اس کے بالمقابل حکمت اور حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والے قاضی کی آپؐ نے تعریف بھی کی۔ارشاد فرمایا:

لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجَلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَ آخَرُ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَ يُعَلِّمُهَا۔(صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب أَجْرِ مَنْ قَضَى بِالْحِكْمَةِ، بروایت عبداللہ بن مسعودؓ)

’’یعنی ’’رشک بس دو آدمیوں پر ہی کیا جانا چاہیے؛ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا پھر

اس نے اسے حق کے راستے میں خرچ کیا اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت (قرآن، حدیث وفقہ کا علم) عطا کی اور وہ اس کے موافق فیصلے کرتا ہے اور اس کی لوگوں کو تعلیم دیتا ہے۔‘‘۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے ان کے تعلق سے فرمایا:

اَلْمُقْسِطُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنَابِرٍ مِّنْ نُورٍ عَنْ يَّمِيْنِ الرَّحْمٰنِ، وَ كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، اَلْمُقْسِطُونَ عَلٰى اَہْلِيْهِمْ وَ اَوْلَادَهُمْ وَ مَا وَلُّوا۔ (صحیح ابن حبان، کتاب السیر، باب ذِكْرُ وَصْفِ الْاَئِمَّةِ فِي الْقِيَامَةِ اِذَا كَانُوا عُدُولًا فِي الدُّنْيَا، بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ)

یعنی ’’(دنیا میں) انصاف کرنے والے لوگ قیامت کے دن رحمان کے دائیں طرف نور کے ممبروں پر ہوں گے حالانکہ اس (رحمان) کے دونوں طرف دائیں ہیں، وہ لوگ جو اپنی بیویوں کے ساتھ اور اپنی اولاد کے ساتھ اور جس معاملے کے وہ نگراں بنتے ہیں اس کے ساتھ انصاف سے کام لیتے ہیں‘‘۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ جن سات قسم کے لوگوں کو اللہ پاک قیامت کے دن عرش کے سائے میں جگہ دیں گے ان میں ایک عادل حکمراں بھی ہوگا۔ (صحیح ابن حبان، کتاب السیر، باب ذِكْرُ اِظْلَالِ اللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا الْاِمَامَ الْعَادِلَ فِيْ ظِلِّهٖ يَومَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ، بروایت ابوہریرہؓ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آخرت میں صرف وہ لوگ سرخرو ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنے منصب اور عہدوں کو امانت سمجھ کر اس کی ذمہ داریوں کو عدل واحسان کے ساتھ انجام دیا ہوگا جو کہ آسان کام نہیں ہے اور جس نے اپنی ذمہ داریوں میں خیانت کی ہوگی وہ وہاں رسوا اور ذلیل کیا جائے گا اور جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس لئے اول درجہ میں تو ہمیں جاہ طلبی کے مرض سے ہی چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے کہ اکثر اوقات یہ دنیا میں بھی آزمائش اور رسوائی کا سبب ہوجاتا ہے جیسا کہ آج کل عام طور پر دیکھنے کو ملتا ہے اور آخرت کا معاملہ تو فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کی صورت میں اور بھی سنگین ہے۔

اس لئے جہاں تک ممکن ہو خود عہدہ طلب کرنے سے ہمیں پرہیز کرنا چاہیے اور جب حکومتی

یا ملی سطح سے کسی منصب کی پیشکش کی جائے تو اپنی صلاحیت اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کا جائزہ ضرور لینا چاہیے کہ اس کی ذمہ داریوں کو ہم کما حقہ ادا کر سکیں گے یا نہیں، اگر نہیں تو ہمیں وہ منصب قبول ہی نہیں کرنا چاہیے تا کہ دنیا و آخرت کی رسوائی سے محفوظ رہ سکیں اور اگر قبول کریں تو عہدے کو امانت سمجھ کر اس کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا چاہیے۔

ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ بروز حساب کہیں ہم ان لوگوں میں نہ شامل ہوں جن کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں پیش گوئی کی ہے:

وَيْلٌ لِلْأُمَرَاءِ، لَيَتَمَنَّيَنَّ أَقْوَامٌ أَنَّهُمْ كَانُوا مُعَلَّقِينَ بِذَوَائِبِهِمْ بِالثُّرَيَّا، وَ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا وُلُّوا شَيْئًا قَطُّ۔ (صحیح ابن حبان، کتاب السیر، باب ذکر الاخبار عما یتمنی الأمراء أنھم ماولّوا مما ولّوا اشیئا، بروایت ابو ہریرہؓ)

''یعنی'' سرکاری اہلکاروں کے لئے خرابی ہے، عنقریب کچھ لوگ اس بات کی آرزو کریں گے کہ انہیں ان کے بالوں کے ساتھ اوج ثریا پر لٹکا دیا جاتا، لیکن انہیں کسی چیز (حکومتی عہدے) کا اہلکار مقرر نہ کیا جاتا''۔

جو لوگ نا اہلوں کو عہدے پر بٹھاتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور وہ خدا کی نگاہ میں گنہگار بھی ہوں گے

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جس عہدہ اور منصب کا جو اہل ہو اسی کو وہ عہدہ سپرد کیا جائے؛ اس کے لیے سب سے پہلے غور کرنا چاہیے کہ اس کے ماتحتوں میں کون ایسا شخص ہے، جس میں پیش نظر ملازمت یا عہدے کی مکمل شرطیں پائی جا رہی ہیں، ایسا کوئی شخص مل جائے تو وہی اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے لہٰذا کسی پس و پیش کے بغیر وہ عہدہ اور ملازمت اس کو سپرد کر دیا جائے اور اگر مطلوب صلاحیت کا حامل کوئی شخص دستیاب نہ ہو تو موجودہ لوگوں میں جو سب سے زیادہ لائق و فائق ہو اس کو منتخب کیا جائے، غرض یہ کہ حکومت کے ماتحت جتنے بھی عہدے اور مناصب ہوتے ہیں وہ

امانت ہیں اور ارباب حکومت اس کے امین ہیں، اگر حکومت نے اپنے ماتحت کسی شخص کو اس کا مجاز بنایا ہے تو وہ بھی امین ہے' ان سب کو چاہیے کہ عہدے اور منصب پوری دیانت داری سے تقسیم کریں' صلاحیت اور شرائط کو اس کے لیے معیار بنایا جائے نہ کہ قرابت اور تعلق کو۔ اگر کسی شخص کو ذاتی تعلق یا سفارش کی بنیاد پر یا رشوت لے کر کوئی عہدہ اور منصب سپرد کیا جاتا ہے تو یہ خیانت ہے اور تمام ذمہ دار اس خیانت کے مرتکب ہوں گے، ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کے پیش نظر دے دیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد: ص: ۳۳۵)

نااہلوں کو عہدے سپرد کرنے سے گناہ تو ہوتا ہی ہے خود دنیوی اعتبار سے بھی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، اس سے مستحقین اور باصلاحیت افراد کے بجائے ناکارہ اور نااہل لوگ عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں ان میں کام کی صلاحیت نہیں ہوتی؛ اس لیے پورا شعبہ بگڑ جاتا ہے اور پھر عوام کے لیے یہ اذیت رسانی کا باعث ہوتا ہے، آج کل ملکی حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ نیچے سے لے کر اوپر تک تمام شعبوں میں کہیں رشوت اور سفارش اور کہیں تعلق اور قرابت کی بنیاد پر عہدے اور ملازمت تقسیم کی جارہی ہیں؛ یہاں تک کہ عصری تعلیم گاہوں میں اساتذہ کی تقرری میں رشوت کا لین دین عام ہو گیا ہے، اس کے نتیجے میں یہ تعلیم گاہیں باصلاحیت افراد سے محروم ہیں تقریباً تمام شعبوں کا یہی حال ہے، اس لیے حکومت کا نظام فساد کا شکار ہو گیا ہے اور آج ہر شخص اپنی جگہ بے چین و مضطرب نظر آرہا ہے۔

عورت کا عہدے پر بیٹھنا یا بٹھانا حرام بھی ہے اور تباہی کا ذریعہ بھی

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کی وجہ سے روکے رکھا جو میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، جب کسریٰ ہلاک ہوا تو آپ نے فرمایا: انہوں نے کسے جانشین بنایا؟ لوگوں نے کہا: اس کی بیٹی کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے کسی عورت کو حکومت کے اختیارات دئے۔ (تخریج دارالدعوہ: صحیح البخاری ۴۴۲۵، ۷۰۹۹)، (تحفۃ الاشراف: ۱۱۶۶۰ صحیح)

جس مسلمان کو اپنے دین وایمان کو بچانا منظور ہو عورت کو کہیں کا حاکم نہ بنائے بلکہ اگر کوئی عورت حکومت وسربراہی کی کوشش کرے تو حکمت کے ساتھ نہایت دلسوزی اور اخلاص سے اس کو اس فتنہ سے حتی الامکان روکے ورنہ دین ودنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

معاشروں کی تباہی، تاریخ کے تناظر میں

انسان نے یقیناً ہر دور میں کوشش کی ہے کہ اس کی اجتماعی معاشرتی زندگی مستحکم رہے۔ جب حیاتِ انسانی کے ارتقا پر نظر ڈالیں تو ہمیں اِس کا رخ اجتماعیت کی طرف ہی نظر آتا ہے۔ تاریخ انسانی نے مختلف معاشرے تشکیل دیئے اور گردشِ زمانہ نے مختلف معاشروں کو پیوند خاک بھی کیا جب وہ اجتماعی طور پر فطرت کے خلاف چلیں، جب وہ قانون قدرت کو توڑ کر اس کی نافرمان وگستاخ بنی اور خدا کے متعین کردہ اصولوں سے انحراف کیا۔ بنی نوع انسان کو انفرادی بدعملی کی سزا دنیا میں نہیں ملتی اس کا حساب کتاب آخرت میں ہے مگر جب قومیں اجتماعی طور پر بدعمل ہو جائیں تو اس کی سزاء دنیا ہی میں مل جایا کرتی ہے۔ جب قوموں میں بدعملی، بدخلقی، غفلت، بے راہ روی اجتماعی طور پر گھر کر جاتی ہے تو تباہی وبربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور تاریخ نے ایسے کئی مناظر دیکھے بھی ہیں۔ قرآن کریم نے بھی مختلف قوموں کی تباہی کا ذِکر کیا ہے جن میں اخلاقی خرابیاں اجتماعی طور پر گھر کر گئی تھیں۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہم نے زمین

میں ایسا مضبوط و پائیدار اقتدار دیا تھا کہ ایسا اقتدار تمہیں بھی نہیں دیا اور ہم نے ان پر لگاتار برسنے والی بارش بھیجی اور ہم نے ان (کے مکانات ومحلّات) کے نیچے سے نہریں بہائیں پھر (اتنی پر عیش وعشرت والی زندگی دینے کے باوجود) ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے دوسری امتوں کو پیدا کیا۔ (الانعام6)

اور بیشک ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا، اور ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایمان لاتے ہی نہ تھے، اسی طرح ہم مجرم قوم کو ان کے عمل کی سزا دیتے ہیں۔ (یونس13)

اور ہم نے کوئی بھی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس بناء پر کہ ان کے پاس ہماری ایک روشن کتاب تھی (جس کی انہوں نے خلاف ورزی کی، سو ہم نے ان کو انجام تک پہنچا دیا۔ (الحجر4)

اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے، کیا آپ ان میں سے کسی کا وجود بھی باقی دیکھتے ہیں یا کسی کی کوئی آہٹ بھی سنتے ہیں۔ (مریم98)

پس کتنی ہی ایسی بستیاں ہیں جو ظالم تھیں ہم نے انہیں تباہ کر دیا تو وہ اپنی چھتوں سمیت گری پڑی ہیں اور کئی ایک بیکار کنویں اور کتنے ہی مضبوط محل ویران پڑے ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی زمین میں گھوم پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن کے دل اِن باتوں کو سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان کی باتیں سن لیتے، بات یہ ہے کہ صرف ان کی آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوئیں (یعنی یہ لوگ اپنی آنکھوں سے تاریخ پر نظر دوڑا کر عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا ہم سے غافل ہونے کے سبب) بلکہ ان کے دل بھی اندھے ہو چکے ہیں جو سینوں میں پڑے ہیں (مردہ حالت میں جنہیں کوئی سوجھ بوجھ نہیں۔ (الحج45,46)

ہم تاریخ کے سبھی ادوار کھنگال کر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی انسان کی

معاشرتی زندگی میں بگاڑ غالب رہا اور اصلاح کے بہت کم آثار دیکھنے کو ملتے ہیں۔اسی مجموعی بگاڑ کے نتیجہ میں قومیں زوال پذیر ہوئیں اور اپنے انجام کو پہنچیں۔

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قدرت قوموں کے عروج وزوال اور تباہی و بربادی کے قوانین کے اطلاق میں قوموں کے درمیان فرق نہیں کرتی، جو قوانین یہود ونصاریٰ کیلئے ہیں وہی امتِ مسلمہ کیلئے ہیں، جو اصول اہل باطل کیلئے ہیں وہی اہل حق کیلئے ہیں، جو ضابطے اہل کفر کیلئے ہیں وہی اہل ایمان کیلئے ہیں۔قرآن کریم میں بیان کردہ قوانین اٹل ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی ہے۔ان کو ''سنۃ اللہ'' کہا گیا ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِيْ الَّذِيْنَ خَلَوا مِنْ قَبْلُ، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔

یہی اللہ کی سنت (اللہ کریم کی عادت، اللہ کا قانون، اللہ کا اصول و ضابطہ اور طور طریقہ رہا) ان لوگوں میں جو تم سے پہلے گزر چکے (اور یہی تمہارے لیے ہیں) تم اللہ کے قانون وضابطے میں کوئی تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے۔(الاحزاب 62)

علمائے دین اور حکمرانوں کے دربار

ایک طاقتور حکمران اپنے زمانے کے ایک نامور عالمِ دین کو اپنی حکومت کا چیف جسٹس بنانا چاہتا تھا لیکن اُس عالمِ دین نے انکار کر دیا جس پر اُنہیں جیل بھیج دیا گیا۔

اُس عالمِ دین کا نام تھا امام ابوحنیفہؒ اور اُنہیں جیل بھجوانے والے حکمران کا نام ابوجعفر عبداللہ بن محمد المنصور، جو دوسرا عباسی خلیفہ تھا۔امام ابوحنیفہؒ حکمرانِ وقت کے دربار سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔جب المنصور نے اُنہیں چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا تو امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ میں اپنے آپ کو اس عہدے کے قابل نہیں سمجھتا۔یہ سن کر خلیفہ طیش میں آ گیا کیونکہ اس زمانے میں چیف جسٹس کی حیثیت خلیفہ کے نائب کی تھی۔

خلیفہ نے گستاخ لہجے میں کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ سن کر امام ابوحنیفہؒ نے خلیفہ سے کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر واقعی میں اِس عہدے کے قابل نہیں۔ اِس جواب کے بعد امام ابوحنیفہؒ کو جیل بھیج دیا گیا اور اُن کے ایک شاگرد ابو یوسف کو چیف جسٹس بنا دیا گیا۔

جیل میں امام ابوحنیفہؒ پر تشدد کیا جاتا تھا تاکہ وہ خلیفہ کا حکم مان لیں لیکن اُنہوں نے وقت کے حکمران کی خواہش کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا اور پھر جیل سے ہی اُن کا جنازہ اٹھا۔ بغداد میں اُنکے جنازے میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ المنصور نے امام جعفر صادقؒ کو بھی زبردستی اپنی اطاعت پر مجبور کیا اور انہیں بھی گرفتار کرلیا۔ (علماء کا کردار، ص/89)

بعض روایات کے مطابق المنصور کے حکم پر امام جعفر صادقؒ کو زہر دیدیا گیا تھا۔ اسی دور میں ایک اور عالمِ دین امام مالک بن انسؒ نے بھی خلیفہ المنصور کے جبر کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ جب گورنر مدینہ نے حکم دیا کہ خلیفہ کی اطاعت کا حلف لینا سب پر واجب ہے تو امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ زبردستی خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ یہ فتویٰ امام مالکؒ کا جرم بن گیا لہٰذا اُنہیں گرفتار کر کے مدینہ میں سرعام کوڑے مارے گئے۔

جس دور میں امام ابوحنیفہؒ، امام جعفر صادقؒ اور امام مالکؒ ایک جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہہ رہے تھے تو اسی دور میں ایسے علماء بھی تھے جو اپنی خوشامد کے باعث خلیفہ کے منظورِ نظر بن گئے۔ حکمرانِ وقت کی خوشامد کرنے والے درباری علماء کو آج کوئی نہیں جانتا۔ آج اگر کسی کا نام زندہ ہے تو جابر حکمران کے سامنے انکار کی پاداش میں جیل جانے اور کوڑے کھانے والے علماء کا نام زندہ ہے۔ ان علمائے حق کی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں امام احمد بن حنبلؒ بھی شامل تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ایک اور عباسی خلیفہ المامون کے دور میں کچھ درباری علماء کی طرف

سے پیش کیئے گئے نظریات کو مسترد کیا جن میں خلقِ قرآن کا نظریہ بھی شامل تھا۔ کچھ علماء نے اپنی اہمیت جتانے کیلئے دعویٰ کیا کہ اللہ کا علم مخلوق ہے یہ بعد میں پیدا ہوا ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ کا موقف تھا کہ قرآن اللہ کا علم ہے اور جو یہ گمان کرے کہ یہ بعد میں پیدا ہوا اس نے کفر کیا۔ المامون نے اس نظریے سے انکار کو اپنی توہین سمجھا اور امام احمد بن حنبلؒ کو جیل میں ڈال دیا۔

کچھ دنوں کے بعد المامون نے امام احمد بن حنبلؒ کو دوبارہ اپنے دربار میں طلب کیا۔ جب امام احمد بن حنبلؒ اور انکے ایک ساتھی محمد بن نوحؒ کو بیڑیاں پہنا کر خلیفہ کے پاس لے جایا جا رہا تھا تو خلیفہ کے ایک ملازم نے روتے ہوئے امامؒ کو بتایا کہ اگر آج آپ نے خلق قرآن کے نظریہ کو تسلیم نہ کیا تو خلیفہ اپنے ہاتھ سے آپ دونوں کا سر قلم کرے گا۔

یہ سن کر امام احمد بن حنبلؒ نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! اگر قرآن تیرا غیر مخلوق اور ازلی کلام ہے تو ہم دونوں کو مامون کے ساتھ اکٹھا ہونے سے بچا لے کہ نہ ہم دونوں اسے دیکھ سکیں نہ وہ ہم دونوں کو دیکھ سکے۔ اسی رات کو المامون کی موت واقع ہوگئی۔ اس کے مرنے کے بعد اسکا بھائی معتصم باللہ خلیفہ بنا۔ اس دوران محمد بن نوح کا انتقال ہوگیا۔ معتصم نے امام احمد بن حنبلؒ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور درباری علماء سے ان کا مناظرہ کرایا۔

یہ درباری علماء امام احمد بن حنبلؒ کے دلائل کے سامنے ڈھیر ہوگئے تو انہوں نے خلیفہ سے کہا کہ یہ گستاخ صرف ہمیں نہیں، آپ کو بھی کافر قرار دے رہا ہے۔ خلیفہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے کپڑے اتارنے کا حکم دیا اور اپنے سامنے انہیں کوڑے لگوائے۔ کوڑوں کی برسات میں امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت نے معتصم باللہ کو پریشان کردیا۔ وہ کوڑے کھاتے کھاتے بے ہوش ہوگئے۔

خطرہ تھا کہ وہ زندگی کی بازی نہ ہار دیں لہٰذا انہیں بے ہوشی کی حالت میں رہا کردیا گیا۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا، امام احمد بن حنبلؒ روزے سے تھے۔ انہیں نیم مردہ حالت میں اسحاق بن

ابراہیم کے گھر لایا گیا۔ ہوش میں آنے پر انہیں کہا گیا آپ کے جسم سے خون بہہ رہا ہے، روزہ افطار کرلیں لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے نمازِ ظہر ادا کی اور کہا حضرت عمر فاروقؓ نے بھی زخمی حالت میں نماز ادا کی تھی۔

شام کو روزہ افطار کیا اور بعدازاں ان جلادوں کو معاف کردیا جنہوں نے کوڑے مارے لیکن ان گمراہ علماء کو معاف نہیں کیا جنہوں نے اسلام کے نام پر گمراہی پھیلائی۔ ان کے جنازے میں لاکھوں افراد شریک ہوئے اور اس جنازے کو دیکھ کر ہزاروں نصرانی مسلمان ہو گئے۔ یہ جنازہ 12 ربیع الاول کو ہوا۔

امام شافعیؒ سے لے کر امام موسیٰ کاظمؒ اور عبدالرحیم محدث دہلویؒ سے مجدد الف ثانیؒ تک بہت سے علمائے حق اور مجتہدین نے اپنے اپنے وقت کے حکمرانوں کے جبر کو مسترد کیا اور تکلیفیں اٹھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' میں امام احمد بن حنبلؒ کا ذکر ملتا ہے لیکن ان پر فتوے لگانے والے درباری علماء کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ کو ملاقات کا پیغام بھیجا اور کہا کہ آپ نے جو کتاب لکھی ہے وہ آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ امام مالکؒ نے جواب بھجوایا ''علم کی زیارت خود کی جاتی ہے وہ کسی کی زیارت نہیں کرتا''۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب ''انفاس العارفین'' میں لکھا ہے کہ مغل بادشاہ عالمگیر نے عبدالرحیم محدث دہلویؒ سے ملاقات کی خواہش کی۔ (علماء کا کردار، ص/185)

انہوں نے بادشاہ کو خط لکھا اور کہا ''اہلِ اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ فقیر بہتر ہے جو کسی امیر کے آستانے پر حاضری نہ دے''۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہی علماء قابلِ تقلید ہیں جو امراء کے درباروں میں حاضریاں نہیں دیتے بلکہ امراء خود چل کر ان کے پاس جاتے ہیں۔

امام صاحب کے عہد کی سیاسی صورتِ حال

امام صاحب کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی، ۱۳۲ھ میں امیہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور ابوالعباس سفاح کے ہاتھوں حکومتِ عباسیہ کی بنیاد پڑی، اس طرح امام صاحب نے اموی اور عباسی دونوں حکومت کا زمانہ پایا، اموی حکومت میں سرحدی فتوحات کی کثرت ہوئی اور عباسی حکومت میں علمی اور قلمی ترقیاں ہوئیں؛ لیکن مجموعی طور پر دونوں حکومتوں میں عوام ظلم وبربریت کا شکار ہوے اپنی حکومت کی بقاء وتحفظ لیے عام انسانوں کی گردنیں اڑادینا عام معمول تھا، پورا عالمِ اسلام بنو امیہ کے خوں چکاں مظالم سے تھرارہا تھا، حضورِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں اور ان کے خاندان کے پیاسوں کو فرات کے ساحل پر شہید کردیا گیا تھا، صدیقِ اکبر کے نواسے عبداللہ بن زبیر کو بیت اللہ کے چوکھٹ پر خاک وخون میں تڑپا دیا گیا تھا، یزید، ابن زیاد، حجاج بن یوسف کو کھلا کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا تھا، اس سلسلہ میں سب سے قابلِ رحم حالت کوفہ کی تھی، جہاں حضرت امامِ اعظم پیدا ہوے۔ اس شہر میں ابنِ زیاد، پھر حجاج کی تلوار بے کسوں پر لٹکتی رہی، عراق کے گورنر ابن ہبیرہ کے ہاتھوں نے چھ لاکھ لوگوں کے خون سے ہولی کھیلی، ایسی صورتِ حال میں لوگوں کا بے چین ہونا، انسانی جانوں پر ہو رہے اس بھیانک ظلم سے متاثر ہونا، ایک فطری امر ہے، پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے دل میں امتِ محمدیہ کا بے پناہ درد تھا، جیسا کہ سلم بن سالم کا بیان ہے، میں نے بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں کیں؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے احترام کا جذبہ جتنا شدید ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں پایا، اس کی نظیر کہیں نہیں ملی۔ (مناقب للموفق ۲۴۸)

ظالم حکام کے ظلم سے امام صاحب کس قدر بے چین ہوتے رہے ہونگے، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

جب حکومت کا ظلم وستم عام ہوجائے اور احترامِ انسانیت کو بالائے طاق رکھ کر مظالم کی حد کردی جائے، ایسی صورتِ حال میں علماء امت کی کیا ذمہ داری ہے، اس حکومت پر نکیر فرض ہے یا نہیں، ایسی حکومت کے خلاف خروج کرنا ظلم ہے یا عدل، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں علماء امت کے دو گروہ تھے، ایک محدثین کا گروہ تھا جن کا مسلک تھا کہ حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے، خواہ کسی ذریعہ سے گئی ہو؛ لیکن جب وہ اقتدار کے مالک ہوگئے تو ان کے سلسلے میں کچھ کہنا شرعاً ناجائز ہے، خواہ ان کا طرزِ عمل کچھ بھی ہو، مسلمانوں کے مذہب نے ان اس کا پابند بنایا ہے کہ خاموشی کے ساتھ ان کے آگے سر جھکا دیں (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۳۴)

اس کے بالمقابل امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکومت کے ساتھ بھی کیا جائے گا اگر زبانی مفاہمت کے ذریعہ حکومت عدل کی طرف رجوع نہ کرے تو مقابلہ کے لیے کھڑا ہونا فرض ہے، ابراہیم الصائغ خراسان کے بڑے تھے، انھوں نے جب ابو مسلم خراسانی کی ظلم وزیادتی دیکھی تو انھوں نے ظالم حکومت کے خلاف خروج کے سلسلے میں امام صاحب سے مشورہ کیا، اس وقت امام صاحب نے اپنے اسی رائے کو ظاہر فرمایا، ابراہیم الصائغ کے حوالے سے امام صاحب کی طرف منسوب ہے کہ ظالم حکمراں کے سامنے معروف امر اور منکر کے نکیر کے لیے جو کھڑا ہوا وہ اور حمزہ بن مطلب دونوں شہداء کے سردار ہوں گے؛ لیکن امام صاحب ظالم حکومت کے خلاف خروج کے لیے تنظیمی اور اجتماعی قوت کو ضروری قرار دیتے ہیں؛ جب کہ اس کے ذریعہ صالح اور مفید انقلاب لانا ممکن ہو۔

"اگر ایک دو آدمی کھڑے ہوں گے تو قتل کردیے جائیں گے اور مخلوقِ خدا کے لیے کوئی کام انجام نہ دے سکیں گے؛ البتہ اگر اس کام کی سرانجامی میں کچھ اچھے صالح لوگ مددگار بن جائیں اور ان کا کوئی ایسا سردار ہو جس کے دین پر بھروسہ کیا جاسکتا ہو اور وہ اپنے مسلک سے نہ پلٹے تو اس وقت مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۲۸۶)

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا مجھے قتل ہونا اور جیل جانا منظور ہے، مگر عہدہ کا بوجھ نہیں اٹھاؤں گا

امام صاحب اپنی تجارت وسخاوت، امانت ودیانت، علم وفن اور تقوی وطہارت کی وجہ سے کوفہ میں انتہائی بااثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے؛ اس لیے حکومتِ بنوامیہ آپ کو حکومت کا حصہ بنا کر عوام سے ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی؛ چناں چہ آپ کو نرمی وگرمی ہر طرح سے مختلف عہدوں کی پیش کش کی گئی، اس سلسلے میں کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ کو اس پالیسی پر عمل کرنے کا موقع ملا، ایک مرتبہ ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے عرض کیا: "شیخ! اگر آپ اپنی آمد ورفت کو ہمارے یہاں بڑھا دیں تو ہم آپ سے اور زیادہ فائدہ اٹھائیں اور ہمیں آپ سے نفع پہونچے،، امام صاحب نے جواباً ارشاد فرمایا "تمہارے پاس آ کر کیا کروں گا، اگر تم مجھے نزدیکی اور قرب عطا کروگے تو فتنہ میں مبتلا کروگے اور اگر دور رکھا یا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ غم میں مبتلا کروگے،، اس کے بعد ابن ہبیرہ نے ربیع کے ذریعہ امام صاحب کو گورنر کے بعد سب سے بااختیار وزیر بنائے جانے کی پیش کش کی اور پیغام بھیجا کہ "گورنر کی مہر ان کے پاس رہے گی؛ تاکہ کوئی حکم نافذ ہو اور کوئی کاغذ جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو وہ سب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہو اور ان کے ہاتھ سے نکلے، جب امام صاحب نے دولت بنی امیہ کے اس جلیل منصب کو ٹھکرا دیا اکابر علماء، داؤد بن ابی ہند، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ جیسے بڑے فقہاء کا ایک وفد امام صاحب کی تفہیم کے لیے حاضر ہوا اور سمجھانا شروع کیا کہ ہم لوگ تمہیں خدا کی قسم دیتے ہیں، تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، ہم لوگ آخر تمہارے بھائی ہیں اور حکومت کے اس تعلق کو ناپسند کرتے ہیں؛ لیکن کوئی چارہ کار اس وقت قبول کرنے کے سوا نظر نہیں آتا؛ لیکن امام صاحب ترکِ موالات کا

فیصلہ کر چکے تھے؛ اس لیے ان اکابر علماء کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا، اور امام صاحب نے اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، ابن ہبیرہ نے پندرہ دن کے لیے جیل بھیج دیا اور وہاں بھی طمع ولالچ اور جاہ ومنصب کی پیش کش ہوتی رہی اور جب مسلسل انکار دیکھا تو عہدۂ قضاء قبول کرنے پر مجبور کرنے لگا اور قسم کھاتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر عہدۂ قضاء کو بھی قبول نہ کیا تو میں ان کو کوڑے ماروں گا؛ لیکن امام صاحب جو دین کے نشے میں مخمور تھے، ابن ہبیرہ کے کوڑے سے زیادہ آخرت کی آہنی گرز کی چمک ان کے یقین کے آنکھوں کے سامنے کوندرہی تھی، انھوں نے قسم کھا کر کہا ”ہرگز عہدۂ قضاء قبول نہ کروں گا چاہے ابن ہبیرہ قتل ہی کیوں نہ کر دے،، ابن ہبیرہ غصے میں تلملا اٹھا اور موت کی دھمکی دینے لگا، امام صاحب نے انتہائی سکینت واستقامت کے ساتھ فرمایا: صرف ایک ہی موت تک ابن ہبیرہ کا اقتدار ہے، گورنر کے اشارہ پر جلاد نے کوڑے برسانے شروع کر دیے، چند کوڑوں کے بعد امام صاحب کی زبان سے ایک تاریخی جملہ نکلا، جس میں ابن ہبیرہ کو خطاب کر کے فرمایا ”یاد کر اس وقت کو جب اللہ کے سامنے تو بھی کھڑا کیا جائے گا اور تیرے سامنے میں جتنا ذلیل کیا جارہا ہوں، اس سے کہیں زیادہ ذلت کے ساتھ تو خدا کے دربار میں پیش کیا جائے گا، ابن ہبیرہ! تو مجھے موت کی دھمکی دیتا ہے؛ حالاں کہ دیکھ میں شہادت دے رہا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تجھ سے بھی پوچھا جائے گا، اس وقت بجز سچی بات کے کوئی جواب تیرا نہیں سنا جائے گا،، کہتے ہیں کہ آخری فقرہ پر ابن ہبیرہ کا چہرہ فق ہوگیا، جلاد کی طرف اشارہ کیا ”بس،، سزا کے بعد جب امام صاحب کو واپس جیل لے جایا جارہا تھا، تو پیٹھ پر مار کے نشان پڑے تھے اور مظلوم امام کا چہرہ سوجا ہوا تھا؛ لیکن امام ظالم حکومت کے خلاف جو مقاطعہ کا فیصلہ کر چکے تھے، اس سے سرِ موانحراف نہ کیا، تا آنکہ بنوامیہ حکومت کا سورج غروب ہوگی۔ (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۳۷۲)

بیت المال کے سلسلے میں حضرت امام صاحبؒ کی رائے

ایک مرتبہ نہیں؛ بلکہ متعدد مرتبہ منصور نے امام صاحب کو مال کی پیش کش کی ،یحییٰ بن نصر کے حوالے سے منقول ہے کہ دوسری مرتبہ منصور نے مال کے ساتھ حسین وجمیل باندی کی پیش کش کی؛ لیکن امام صاحب بیت المال کے بیجا استعمال کو حرام سمجھتے تھے؛ بلکہ ان کے نزدیک حکم میں جور اور بیت المال میں خیانت ایک امام کی امامت کو باطل کردینے والے افعال تھے؛ اس لیے انھوں نے مال کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا "امیر المومنین اگر ذاتی مال سے دیتے تو شاید میں قبول کرلیتا؛ لیکن یہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں یہ تو مسلمانوں کے بیت المال کا ہے جس کا میں اپنے آپ کو کسی طرح مستحق نہیں سمجھتا ہوں، نہ میں ننگا، بھوکا، محتاج فقیر ہوں، اگر یہ صورت ہوتی تو فقیروں کی مد سے شاید میرے لیے کچھ لینا جائز ہوتا، اور نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو مسلمانوں کی حفاظت کے لیے لڑتے ہیں، اگر میرا تعلق ان فوجیوں سے ہوتا تو اس وقت بھی اس مد سے لے سکتا تھا، جب میرا تعلق نہ اس گروہ سے ہے اور نہ اس طبقے سے تو آپ ہی انصاف کیجیے میں یہ رقم کس بنیاد پر لے سکتا ہوں؟"۔

بیت المال کے بے جا استعمال پر آپ ہمیشہ معترض رہتے تھے اور حکومت کے مالوں کو انتہائی بے نیازی کے ساتھ ٹھکرادیتے تھے، جب منصور نے امام صاحب کے سامنے عہدۂ قضاء پیش کیا اور امام صاحب نے انکار کردیا تو منصور نے امام صاحب کو ۳۰ کوڑے لگوائے جس سے امام صاحب کا سارا بدن لہولہان ہوگیا تو خلیفہ کے چچا عبدالصمد بن علی نے اس کو سخت ملامت کی کہ یہ تم نے کیا کیا؟ یہ عراق کا فقیہ ہے؛ بلکہ پورے مشرق کا فقیہ ہے، منصور اس پر نادم ہوا اور فی تازیانہ ایک ہزار درہم کے حساب سے تیس ہزار درہم امام صاحب کو بھجوائے؛ لیکن امام صاحب نے لینے سے انکار کردیا، کہا گیا لے کر خیرات کردیجیے! جواب میں ارشاد فرمایا: "کیا اس کے پاس کوئی حلال مال بھی ہے؟" اسی زمانہ میں جب پے در پے تکلیفیں سہتے ہوئے امام کا آخری وقت آ گیا تو انھوں نے وصیت کی کہ "بغداد کے اس حصے میں ان کو دفن نہ کیا جائے جسے شہر بسانے کے لیے منصور نے لوگوں کی املاک میں سے غصب

کرلیا تھا، انتقال کے بعد منصور بھی قبر پر نماز پڑھنے کے لیے آیا، جب وصیت کا حال سنا تو چیخ پڑا کہ ابوحنیفہ زندگی اور موت میں تیری پکڑ سے کون بچا سکتا ہے۔ (خلافت وملوکیت ۲۴۳)

امام صاحب اور عہدۂ قضاء

منصور نفس ذکیہ کے خروج کے واقعہ میں امام صاحب کی سرگرمی سے بخوبی واقف تھا، جس کی وجہ سے منصور کے دل میں امام صاحب کے خلاف گرہ پڑی ہوئی تھی؛ لیکن امام صاحب جیسے با اثر آدمی پر ہاتھ ڈالنا آسان نہ تھا، اسے معلوم تھا کہ ایک حسین کے قتل نے بنی امیہ کے خلاف مسلمانوں میں کتنی نفرت پیدا کردی تھی، اور اسی وجہ سے ان کا اقتدار آسانی سے اکھاڑ پھینکا گیا؛ اس لیے وہ انھیں مارنے کے بجائے سونے کی زنجیروں میں باندھ کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا زیادہ بہتر خیال کیا، اسی نیت سے منصور نے بار بار امام صاحب کو عہدۂ قضاء پیش کیا؛ بلکہ سلطنتِ عباسیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کرنے کی پیش کش کی؛ مگر امام صاحب طرح طرح کے حیلوں سے ٹالتے رہے، آخر کار جب منصور بہت زیادہ مصر ہوا تو امام صاحب نے ایک مرتبہ نرم انداز میں معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ”قضاء کے لیے وہ شخص موزوں ہے جو اپنے اندر اتنی جان رکھتا ہو کہ آپ پر، آپ کے شہزادوں پر، اور سپہ سالاروں پر قانون نافذ کرسکے، اور مجھ میں وہ جان نہیں“ منصور کے بار بار اصرار پر ایک مرتبہ سخت لہجے میں منصور کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”مجھ پر بھروسہ تم کو نہ کرنا چاہیے میں اگر خوشی سے بھی اس عہدہ کو قبول کرلوں جب بھی آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے خلاف بھی فیصلہ دینے کا موقع میرے سامنے آ گیا اور مجھے یہ دھمکی دی جائے کہ اس فیصلہ سے باز آجاؤ یا دریا فرات میں تمہیں غرق کردیا جائے گا تو میں کہے دیتا ہوں کہ فرات میں ڈوب مرنے کو قبول کروں گا؛ لیکن فیصلہ بدلنے پر راضی نہیں ہوسکتا، اور جب رضامندی سے عہدہ قبول کرنے پر میرا یہ حال ہے، تو اسی سے اندازہ کرلیجیے کہ زبردستی اگر مجھے قاضی بنایا گیا تو اس وقت غصہ کی حالت میں جو کروں گا وہ ظاہر ہے“ (مناقب موفق مکی ۲/۱۷۱)

اس طرح کے متعدد واقعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن سے قضاء اور عدلیہ کے تعلق سے امام صاحب کا نقطۂ نظر بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، عدلیہ کے متعلق ان کی قطعی رائے یہ تھی کہ اسے انصاف کرنے کے لیے انتظامیہ کے دباؤ اور مداخلت سے نہ صرف آزاد ہونا چاہیے؛ بلکہ قاضی کو اس قابل ہونا چاہیے کہ خود خلیفہ بھی اگر لوگوں کے حقوق پر دست درازی کرے تو وہ اس پر اپنا حکم نافذ کر سکے، امام صاحب کو اخیر زمانہ میں جب اپنی وفات کا یقین ہو گیا تھا، انھوں نے اپنے تلامذہ کو جمع کیا اور خطاب فرمایا "پس اب وقت آ گیا کہ آپ لوگ میری مدد کریں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم میں ہر ایک عہدۂ قضاء کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے، اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں؛ بلکہ قاضیوں کی تربیت کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں، اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے، اور علم کا جتنا حصہ آپ لوگوں کو ملا ہے، اس علم کی عظمت وجلالت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچائے رہنا، اور تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونے پر اگر مجبور ہونا پڑے تو میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ایسی کمزوریاں جو مخلوق کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں اگر کوئی جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں ان کا ارتکاب کرے گا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے آدمی کا فیصلہ جائز نہ ہوگا اور نہ قضاء کی ملازمت اس کی حلال ہوگی، جو تنخواہ اس سلسلے میں اس کو ملے گی، وہ اس کے لیے پاک نہ ہوگی، قضاء کا عہدہ اسی وقت تک صحیح رہتا ہے؛ جب تک کہ قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو، اور اسی قضاء کی تنخواہ حلال ہے" اس تقریر کا آخری فقرہ تھا، امام (یعنی مسلمانوں کا بادشاہ اور امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے" (موفق مکی ۲ / ۱۰۰۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۴۹۷)

امام صاحب کے اس طویل خطاب میں جس کا تھوڑا سا اقتباس یہاں پیش کیا گیا ہے قضاء اور عدلیہ کے تعلق سے امام صاحب کی رائے بہت نمایاں ہو جاتی ہے۔

حُکّام واہلِ سیاست کی اصلاح اور ان کو تبلیغ کرنے کا طریقہ

فرمایا...... جو لوگ گورنمنٹ کے وفادار اور حامی سمجھے جاتے ہیں درحقیقت وہ کسی کے بھی وفادار اور حامی نہیں ہیں، بلکہ صرف اپنی اغراض کے وفادار ہیں، البتہ آج چونکہ ان کی وہ دنی (حقیر اور معمولی) اغراض موجودہ گورنمنٹ سے پوری ہوتی ہیں اس لیے وہ ان کے حامی اور وفادار بنے ہوئے ہیں، لیکن اگر کل ہی کو ان کی اغراض گورنمنٹ کے دشمنوں سے پوری ہونے لگیں تو وہ اسی درجہ میں ان کے بھی حامی اور وفادار ہوجائیں گے، ورنہ حقیقی طور پر تو ایسے غرض پرست لوگ اپنے باپ کے بھی وفادار نہیں ہوتے، تو ان لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ان کو بُرا بھلا کہا جائے یا بس گورنمنٹ کی مخالفت پر ان کو آمادہ کیا جائے، ان کی اصلی بیماری ''غرض پرستی'' ہے اور جب تک یہ ان میں موجود رہے گی اگر گورنمنٹ کی حمایت انہوں نے چھوڑ بھی دی تو اپنی اغراض کے لیے وہ کسی اور ایسی طاقت کے ایسے ہی وفادار بنیں گے، اس لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ ان میں غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی پیدا کی جائے اور اللہ اور اس کے دین کا انہیں سچا وفادار بنانے کی کوشش کی جائے، اس کے بغیر ان کی بیماری کا علاج نہیں ہوسکتا۔ (ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص:۲۱، ملفوظ نمبر:۱۱)

ہم حکومت اور اقتدار سے کیوں محروم کردیئے گئے؟

اس سوال پر کلام کرتے ہوئے کہ:

''مسلمانوں کو حکومت و اقتدار کیوں نہیں بخشا جاتا؟'' فرمایا:

اللہ کے احکام اور اوامر و نواہی کی حفاظت و رعایت جب کہ تم اپنی ذات اور اپنی منزلی زندگی میں نہیں کررہے (جس پر تمہیں اختیار حاصل ہے اور کوئی مجبوری نہیں ہے) تو دنیا کا نظم ونسق کیسے تمہارے حوالہ کردیا جائے۔

ایمان والوں کو حکومت ارضی دینے سے تو منشاء الٰہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی مرضیات اور اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کریں تو تم جب اپنے حدود واختیار میں آج یہ نہیں کر رہے تو حکومت تمہارے سپرد کر کے کل کے لیے تم سے اس کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟۔ (ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص: ۲۰، ملفوظ نمبر: ۱۰)

قضاء کا عہدہ لینا گویا جہنم خریدنا ہے

کریغستان میں مدینۃ البیضاء کے نام سے ایک گاؤں مشہور ہے، جہاں مفسر قرآن قاضی بیضاویؒ کا مرقد موجود ہے، اس شہر میں سینکڑوں علماء پیدا ہوئے مگر قاضی بیضاویؒ کے نام نے اس کی شہرت میں اضافہ کیا۔

قاضی بیضاویؒ اپنے وقت کے بڑے متبحر عالم تھے، ایک مرتبہ قضاء کا عہدہ خالی ہوا تو ان کے دل میں چاہت تھی کہ یہ ذمہ داری انہیں سونپ دی جائے۔ حاکم وقت ایک شیخ کامل سے بہت عقیدت رکھتا تھا، قاضی صاحب نے سوچا کہ اس شیخ سے اپنی تائید میں چند الفاظ لکھوا لوں تو حاکم وقت مجھے یہ عہدہ دے دے گا، چنانچہ قاضی صاحب نے اس شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش بیان کی۔ انہوں نے ایک رقعہ حاکم کے نام لکھ کر دیا، حاکم وقت نے پڑھا تو اس نے اسی وقت قضاء کے عہدے پر تعینات کر دیا، کافی مدت کے بعد جب کوئی تذکرہ چھڑا تو حاکم وقت نے رقعہ دکھایا اس پر لکھا ہوا تھا۔

حامل رقعہ اچھے انسان ہیں، جہنم میں ایک مصلے کی جگہ چاہتے ہیں، تعاون فرمائیں۔

قاضی صاحبؒ پر یہ الفاظ بجلی بن کر گرے، ان کے دل کی دنیا بدل گئی، دنیا کی محبت دل سے نکل گئی، اور آخرت کی تیاری کا طبیعت پر غلبہ ہوا، چنانچہ انہوں نے تفسیر بیضاوی لکھی جو علماء میں بہت مقبول ہوئی۔ (لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند ص/ ۲۲۴)

ریاست وسرداری کو وبال جان سمجھو

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی ؒ تحریر فرماتے ہیں: متابعت سنت مطہرہ کی ترغیب دیں۔ بدعت سے ڈرائیں اور طریق التجا وتضرع وزاری کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ ایسا نہ ہو کہ اقران ومماثل پر تقدم وریاست حاصل ہو جانے سے نفس امارہ ان کو جائے ہلاکت میں ڈال دے اور خراب وابتر کر دے۔

ہر وقت اپنے آپ کو قاصر وناقص جانیں اور طالب کمال رہیں، نفس وشیطان دونوں زبردست دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ راہ سے بے راہ ہے اور خائب وخاسر کر دیں۔

ہوشیار رہو اور ریاست وسرداری کو وبال جان سمجھو، ترساں ولرزاں رہو، ایسا نہ ہو کہ ریاست وسرداری میں لذت محسوس ہونے لگے اور وہ ہلاکت ابدی تک پہنچا دے۔

رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (مکتوب، ۶۱، ج/ ۲)

بعض علمائے ربانی نے فرمایا ہے کہ تقویٰ تمام وکمال کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک ان دس چیزوں کو اپنے اوپر لازم نہ کرلے اور ان پر عمل نہ کرے۔

(۱) غیبت سے زبان کو محفوظ رکھنا۔ (۲) بدگمانی سے پرہیز۔ (۳) تمسخر سے پرہیز۔ (۴) حرام سے نظر کو پوشیدہ رکھنا۔ (۵) راست گوئی۔ (۶) اللہ تعالیٰ کے احسانات کو پہچاننا تاکہ خود بینی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ (۷) اپنے مال کو راہ حق میں صرف کرے نہ کہ راہ باطل میں۔ (۸) اپنی بڑائی اور اونچائی کا طالب نہ ہو۔ (۹) نماز ہائے پنجگانہ کی ادائیگی پر مداومت۔ (۱۰) طریقۂ اہل سنت وجماعت پر استقامت۔ اے اللہ تو ہمارے نور کو مکمل کر دے اور ہمیں بخش دے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (مکتوبات، ص/ ۶۶، ج/ ۲)

عہدہ کی تباہ کاریاں مولانا رومؒ کی نگاہ میں

مولانا رومیؒ کی مثنوی شریف جس کے بارے میں ہمارے اکابر فرماتے ہیں: دنیا میں تین کتابیں سب سے البیلی ہیں، قرآن شریف، بخاری شریف، مثنوی شریف، قرآن وحدیث کا محترم اور عظیم ہونا تو سب کے یہاں مسلم ہے، لیکن مثنوی مولانا رومیؒ کے بارے میں جو مولانا جامیؒ نے کلام کیا ہے اس سے مثنوی کی قدرومنزلت کا خوب اندازہ ہوتا ہے، فرماتے ہیں ؎

مثنوی ، معنوی ، مولوی

ہست قرآن در پہلوی

صاحب مثنوی، آپ کے خلفاء اور بعد کے تمام مشائخ کے یہاں مثنوی کے الہامی ہونے پر کبھی کسی کو اشکال نہیں رہا ہے، اس لئے کہ اس میں قرآن وحدیث کا عطر اور ان کی روح آگئی ہے، عشق الٰہی کو حاصل کرنے کیلئے میری نگاہ میں فارسی میں اس سے زیادہ مفید کتاب نہیں لکھی گئی، اس لئے ذیل میں مولانا رومیؒ کی منظوم نصیحت کو پڑھیے اور خود کو بدلئے۔

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی لغزش کا تعلق شکم اور خواہش باہ سے تھا، اور ابلیس لعین کی سرکشی، تکبر اور جاہ کے سبب تھی۔

لاجرم او زود استغفار کرد

واں لعین از توبہ استکبار کرد

سیدنا آدم علیہ السلام نے بہت جلد اپنے قصور کا اعتراف کرکے، ربنا ظلمنا انفسنا کہنا شروع کردیا، اور گریہ وزاری واستغفار میں مصروف ہوگئے اور اس ملعون ابلیس نے توبہ کرنے سے عار وننگ محسوس کیا اور باغیانہ روش اختیار کی۔

فائدہ: حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ہر گناہ اور نافرمانی کا سبب یا باہ ہوتا ہے یا جاہ ہوتا ہے۔

گناہ باہی: وہ گناہ ہے جو خواہش نفس سے مغلوبیت کے سبب صادر ہوتا ہے، اس گناہ پر ندامت اور پھر توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور عجب وتکبر اور تقدس کا احساس ختم ہو کر عبدیت وتذلل کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔

گناہ جاہی: اس گناہ کا منشاء حب جاہ اور تکبر ہوتا ہے مثلاً کسی کو حقیر سمجھنا اور اس کی غیبت کرنا ،اللہ والوں کی خدمت سے دل میں اپنی ذلت محسوس کرنا، یا غریبوں اور مسکینوں، طالب علموں اور مسجد کے خدام کو بنگاہ حقارت دیکھنا، اور انہیں اپنا محتاج سمجھنا، یا ان پر اپنی برتری کا احساس ہونا، اپنی خطا کو تسلیم نہ کرنا، اور اپنے ظلم کے باوجود مظلوم سے معافی مانگنے میں شرم مانع ہونا، یہ سب جاہی گناہ کہلاتے ہیں، اور چونکہ جاہی گناہ کا اصل سبب تکبر اور نخوت ہے، اس لئے ایسے لوگوں کو ندامت اور توبہ سے اکثر محرومی رہتی ہے، پس خلاصہ یہ نکلا کہ گناہ جاہی اشد ہے، گناہ باہی سے ان دونوں بیماریوں کی صحت مطلوب ہے، اور ان کی صحت موقوف ہے، اہل اللہ کی صحبت اور ان سے قوی اور صحیح تعلق پر جس کا ثمرہ اطلاع حالات اور اتباع تجویزات ہے۔

تو بداں فخر آوری کز ترس وبند
چاپلوست کردمردم روز چند

تو اس جاہ پر فخر کرتا ہے کہ مخلوق تیرے خوف اور اثر سے چند دن کیلئے تیری چاپلوسی میں مشغول ہے، جیسا کہ حکام دنیا کا حال ہے، لیکن حکومت برطرف ہونے پر ان کا کیا حشر وانجام ہوتا ہے۔

ہر کرا مردم سجود میکنند
زہر اندر جان اومی آگنند

جس شخص کے قدموں پر مخلوق بہت زیادہ استقبال اور احترام کیلئے سر جھکاتی ہے، تو سمجھ لو کہ اس کی جان میں تکبر اور فرعونیت کا زہر گھولتی ہے۔

مال ومنصب تا کہ آرد بدست

طالب رسوائے خویش اوشدست

جو شخص مال اور منصب کا حریص اور طالب ہوتا ہے تو وہ دراصل اپنی رسوائی کا طالب ہوتا ہے۔

سرداری مت طلب کرو اور فقیرانہ سادی زندگی اختیار کرو اپنا بوجھ کسی پر رکھنے کے بجائے اپنے ہی اوپر رکھو، یعنی اپنے کاموں کو خادموں سے لینے کے بجائے خود کرنے کی عادت ڈالو۔

اشتہار خلق بند محکم ست

بند ایں از بند آہن کے کم ست

مخلوق میں مشہور ہو جانا یہ سخت تر قید ہے اور یہ قید قید آہنی سے کم نہیں ہے۔

دانہ کی طرح زمین پر ظاہر ہوگا تو چڑیا چگ لیں گی اور اگر کلی کی طرح اپنے کو شاخوں سے ظاہر کرے گا تو لڑکے تجھے تماشا بنائیں گے اور اچک لیں گے۔

او چو بیند خلق را سرمست خویش

در تکبر می رود از دست خویش

جب ہر طرف سے خلق کو اپنا دیوانہ و مست دیکھتا ہے تو تکبر کے فتنہ میں مبتلا ہو کر اپنے ہاتھ سے بھی بے قابو ہو جاتا ہے۔

لطف وسالوس جہاں خوش لقمہ ایست

کمترش خور کاں پر آتش لقمہ ایست

نفس کو دنیا والوں کی تعریف اور خوشامد بہترین لقمہ معلوم ہوتا ہے ایسے لقمہ کو مت کھاؤ کہ یہ لقمہ آگ سے پر ہے یعنی تکبر میں مبتلا کر کے دوزخ تک لے جاوے گا۔

آدمی فربہ شود ز راہ گوش

جانور فربہ شود از حلق ونوش

انسان تعریف سن کر کان کے راستے موٹا ہوتا ہے اور جانور بھوسا کھلی سے موٹا ہوتا ہے۔

نفس ازبس مدحہا فرعون شد

کن ذلیلاً النفس ہونا لاتسد

نفس زیادہ تعریف سن کر فرعون ہوجاتا ہے اس لئے اپنے کو مٹا کر رہو اور سرداری مت تلاش کرو۔ (مثنوی شریف، ص/ ۴۹۴)

انسان کی حیثیت ومرتبہ کا تعلق دل کی اصلاح سے وابستہ ہے

اس کائنات کا وجود انسان سے قائم ہے یہ اچھا ہے تو دنیا اچھی ہے یہ اگر بگڑتا ہے تو دنیا فساد کا گہوارہ بن جاتی ہے تاریخ عالم اور تاریخ انسانی کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ انسان ہی تمام خیر وشر کا چشمہ رہا ہے، یہ اگر امن سے رہا تو دنیا میں امن رہا، یہ تباہ ہوا تو دنیا میں تباہی چھاتی چلی گئی، اس لیے اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کو اس عالم میں مبعوث فرمایا تاکہ وہ انسان کو خیر وشر کے فوائد ونقصان سے واقف کرائیں، چنانچہ اللہ نے جوان کو نور نبوت عطا فرمایا تھا اس کی روشنی میں انہوں نے اس حقیقت کو معلوم کرلیا کہ جو کام انسان کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے وہ اس کی ہدایت واصلاح ہے، اگر وہ ہدایت کو پالے گا تو قدرت کی عطا کردہ ساری صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرسکتا ہے، ورنہ اس کی ساری طاقتیں اور محنتیں شر وفساد اور برائیوں میں صرف ہوں گی جو اس کے لئے بھی نقصان دہ ہے اور دنیا کیلئے بھی۔

انبیائے کرام کو یہی حکم ہوا تھا کہ ساری محنت وطاقت انسان کے دل کی اصلاح پر لگائیں اگر دل صحیح ہوگیا، تو اس کا سارا وجود صحیح ہو جائے گا، وہ خراب ہو تو سارا وجود خراب ہو جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَلاَ وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ. أَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ۔

انسان کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے گا وہ بگڑ جائے تو سارا وجود ہی بگڑ جائے یاد رکھو وہ دل ہے۔اس لئے آج انسان کے دل پر محنت کی ضرورت ہے اگر انسان خیر کا طالب ہو جائے انسان انسان کی بھلائی اور اس کو نفع پہنچانے کا خواہشمند ہو جائے اپنی اغراض سے پاک ہو کر انسان انسان کا خادم بن جائے خود کو مٹا کر دوسرے کو آگے بڑھائے، دنیا کو بدامنی سے نکال کر امن میں لائے نفرت کا ماحول ختم کر کے محبت کے ماحول میں تبدیل کر دے تو پھر دنیا کے ہر خطہ میں بہار ہی بہار ہو گی۔

تھوڑے وسائل واسباب کے باوجود بڑے بڑے کام انجام پائیں گے جیسا کہ ماضی میں خلفائے راشدین کے خوشحال اور مبارک وزرخیز دور میں دیکھا گیا اور برتا گیا اور حضرات صحابہ کرام نے اپنی انسانیت نوازی، اطاعت خداوندی اور قانون الٰہی کی قدردانی کر کے ایک تہائی دنیا کو شادابی وخوشحالی اور محبت وانسانیت سے بھر دیا تھا۔

معلوم ہوا کہ انسان اپنا دل درست کر لے اور ارادوں کو ٹھیک کر لے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، سارے عالم کا نظام درست ہو جائے گا، آج لوگوں کو کس چیز کی محتاجی ہے دنیا کس چیز سے محروم ہے اس وقت جس چیز سے لوگ محروم ہیں وہ نیک ارادہ ہے، انسان مفاد پرستی میں غوطے لگا رہا ہے اپنی فکر خوب ہے، مگر انسانیت کی فکر کسی کو نہیں۔

کسی کو برائی سے نفرت نہیں، کسی کو کسی کے نقصان کا غم نہیں، دلوں سے درد مفقود ہے، دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک چلے جائے ہر جگہ باتیں ہی ملیں گی لیکن اس کے اندر درد نہیں ملے گا ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی کا جذبہ نہیں ملے گا جو کچھ ملنا جلنا ہو گا صرف اپنی غرض کے تحت، اپنے مقصد کی خاطر، انسان نے اپنی زندگی کو عقل کے حصار میں پہنچا دیا ہے دل سے کسی کو کوئی واسطہ ہی نہیں جبکہ عقل بے لگام عیار اور مکار ہے۔

بڑے بڑے لوگ علم ودانش کی پہاڑ جیسی شخصیتیں احوال عالم اور حوادث روزگار کو اس طرح

بیان کریں گے جیسے وہ کوئی خوش آئند بات ہو، کوئی مبارک واقعہ ہو، جسے مزہ لے کر بیان کیا جائے، اس لیے کہ انسانیت سے کسی کو قلبی اور حقیقی تعلق نہیں ہے، سب زبانی باتیں اور دماغی تعیّشات ہیں، آج کے دور میں وسائل کی کمی نہیں ہے اگر کوئی انسانیت کی خدمت کرنا چاہے، معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کے جتنے اسباب و وسائل آج موجود ہیں کسی دور میں اتنے نہیں رہے، لیکن ہمارے اندر نیک اور سچا ارادہ نہیں، ہمارے اندر اس کے لیے شوق نہیں۔

انسان کے پاس سب کچھ ہے لاکھوں روپیوں سے مدد کر سکتا ہے لیکن وہ خسیس اور بخیل ہے، اس کو صرف پیسے کی محبت ہے، یا سست اور کاہل الوجود ہے، وہ بالکل مدد کا ہاتھ نہیں بڑھانا چاہتا ہے، تو اس کی دولت کیا کام آئے گی، ایک شخص بیت اللہ کی زیارت کی استطاعت رکھتا ہے، اللہ نے اسے ذرائع بھی عطا کئے ہیں، لیکن زیارت کا شوق نہیں، سفر کا شوق نہیں، پھر کون اس کو اس کار خیر کے لئے آمادہ کر سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کا جو کچھ بھی معاملہ ہے وہ اس کے دل کا اور اس کے نیک ارادوں کا ہے اگر نیک ارادے پیدا ہو جائیں تو پھر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، یہ سارے وسائل تو انسان کے تابع ہیں، جو اپنی خداداد طاقتوں اور صلاحیتوں سے خود ہی پیدا کر لے گا، آج انسان کا رخ صحیح ہو جائے تو سارا نظام زندگی بھی صحیح ہو جائے گا، انسان کی اکثریت کا رخ اس وقت شر کی طرف زیادہ بڑھ رہا ہے، اور مسلسل بڑھتا جا رہا ہے، اسی رخ کو شر سے خیر کی طرف موڑنے کی ضرورت ہے، اگر اس کا رخ خیر کی طرف مڑ گیا تو پھر انسانیت کی کھیتی لہلہا اٹھے گی، کائنات انسانی میں بہار ہی بہار ہو گی، ہماری ساری صلاحیتیں غلط رخ پر کام کر رہی ہیں، جاہ طلبی اور اقتدار پسندی کی بھوک، کرسی حاصل کرنے کی بے تابی، جگر کے گوشہ گوشہ میں اور عقل و خرد کے ہر حصہ میں بڑھتی جا رہی ہے۔

بقول حضرت علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے آج دنیا میں جتنی برائیاں نظر آ رہی ہیں ان فسادات

کا ذمہ دار مذہب نہیں ہے، دنیا کا فساد یہ نہیں ہے کہ مذہب مذہب سے لڑ رہا ہے، مذہب کے مذہب سے لڑنے کا دور ختم ہو، اصدیوں پہلے ختم ہوا، آج بیچارے مذہب کو کون موقع دیتا ہے کہ وہ میدان میں آئے، آج غیر مذہبی انسان، غیر مذہبی انسان سے لڑ رہا ہے، آج غرض، غرض سے لڑ رہی ہے آج ہوس، ہوس سے ٹکرا رہی ہے، آج شیطان شیطان سے ٹکرا رہا ہے، آج مال۔ مال سے ٹکرار رہا ہے، آج اقتدار، اقتدار سے لڑ رہا ہے، آج حکومت، حکومت سے لڑ رہی ہے، آج وزارت، وزارت سے لڑ رہی ہے، آج پارٹی پارٹی سے لڑ رہی ہے۔

آج مذہب اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ دوسرے مذہب سے ٹکرائے، خلوص، خلوص سے ٹکرائے، خلوص، خلوص سے کبھی نہیں ٹکرایا، روحانیت روحانیت سے کبھی نہیں ٹکرائی یہ الزام ہے، اتہام ہے، بہتان ہے، میں تاریخ کو چیلنج کرتا ہوں، تاریخ کے پروفیسروں کو چیلنج کرتا ہوں، ایک مرتبہ بھی بتادیں کہ خلوص، خلوص سے لڑا ہو، خلوص میں خلوص سے لڑنے کی صلاحیت نہیں، خلوص جب خلوص کی طرف بڑھے گا پہچان لے گا، بھائی بھائی کو پہچان لیتا ہے، نیک نیک کو پہچان لیتا ہے، ماں اپنے بیٹے کو پہچان لیتی ہے بیٹا اپنی ماں کو پہچان لیتا ہے، اس سے زیادہ مخلص مخلص کو پہچانتا ہے کبھی مخلص مخلص سے نہیں لڑسکتا، کبھی روحانیت روحانیت سے نہیں لڑسکتی، کبھی نیکی نیکی سے نہیں لڑسکتی، کبھی صداقت صداقت سے نہیں لڑسکتی، ہمیشہ جھوٹ، جھوٹ سے لڑتی ہے، ہمیشہ نفاق، نفاق سے لڑتا ہے، ہمیشہ باطل باطل سے لڑتا ہے، ہمیشہ اغراض اغراض سے لڑتے ہیں، سارا فساد دنیا میں اغراض کا ہے، اغراض کے سوا آج کچھ بھی نہیں۔ (مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں)

آجکل جتنے بھی فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں سب اغراض کا کرشمہ ہیں، مذہب کا نام بد نام ہے، مذہب کا اس سے کوئی تعلق نہیں، حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں میں ایک جگہ فرماتے ہیں: دماغ ہفت زبان ہے، لیکن دل یک زبان

ہے، دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتے پیدا کرو، بلند سے بلند فلسفیانہ بحث کرو، لیکن دل ایک زبان جانتا ہے، دل انصاف کی زبان جانتا ہے، دل محبت کی زبان جانتا ہے، دل فلسفوں سے نہیں سمجھے گا، باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے نہیں سمجھے گا، دل تو ایک ایمان کی زبان جانتا ہے، خدا کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا، خدا کے نام سے پکار و دوڑ پڑے گا، خدا کے نام کی دہائی دو سب کچھ نچھاور کر دے گا، اور جب دل تیار ہو جائے گا تو پھر کسی چیز کی کمی نہیں، وسائل کی کمی نہیں، طاقت کی کمی نہیں، تنظیم کی کمی نہیں، دولت کی کمی نہیں، دانائی کی کمی نہیں، سب قدموں کے نیچے ہیں، لیکن دل کو جگالو، دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستے پر ڈال دو، اور دل میں انسان کی محبت پیدا کر دو، دل کی اس اوسر بنجر زمین میں پھر صلاحیت پیدا کرو اور وہ صلاحیت پیدا نہ ہوگی جب تک اپنے سفلی اغراض ومقاصد کی کھاد اس میں نہ ڈالو، یہ تمہاری دولت پرستی، یہ تمہاری جاہ پرستی، یہ تمہاری غرض پرستی، یہ تمہاری حکومت پرستی، یہ کھاد ہے دل کی جب اس کو کھاد بنا کر زمین پر ڈالو گے تو دل کی کھیتی خزانہ اگلے گی، پھر خلوص پیدا ہوگا، تم نے دیکھا ہے کہ کھاد ہمیشہ گندی ہوتی ہے، مگر کھاد سے جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ کیسی لطیف ونظیف ہوتی ہے، جب اغراض کے غلط مقاصد کی کھاد، انسانیت دشمنی کی، جاہ پرستی کی اور حکومت پرستی کی، کھاد، ڈالو گے تو اس سے خلوص برآمد ہوگا، اس سے صداقت برآمد ہوگی، اس سے انصاف برآمد ہوگا، اس سے انسانیت کی فلاح کی طلب برآمد ہوگی، اور پھر دنیا میں بہار آئے گی اور یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی۔ (مغرب سے کچھ کچھ صاف باتیں، ص/184)

راقم الحروف عقل ودل کی اس کشمکش کا حکم بن کر یہ عرض کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص کامیاب ترین اور محبوب ترین انسان اور بندہ خدا بننا چاہتا ہے تو عقل بے لگام کو دل روشن کے زیر فرمان صرف ایک مہینہ کر کے دیکھ لے، اگر وہ انسان حقیقی کا نمائندہ اور مثال بننے کی راہ پر گامزن نہ ہوا تو

پھر کہیں، آج ہم لوگ عقل کے غلام بنے بیٹھے ہیں، اس لئے ہماری عقل عیار ہے، سو بھیس بنا کر ہمیں مصائب و آلام اور نوع بنوع کے امتحان و آزمائش میں مبتلا کرتی جارہی ہے اپنی زندگی اور جملہ مسائل حیات کی نمائندگی اس دل کے حوالہ کردیں، جو ہمارے وجود کا بادشاہ ہے، اور عقل کو اس کا معاون بنادیں، تو پھر سوائے مثبت اور بہتر اعمال کے ہم سے کچھ نہیں صادر ہوگا، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)

حب جاہ طریقت کیلئے سنگ گراں ہے

حضرت گنگوہیؒ نے ایک شیخ اور مرید کی حکایت سنائی کہ مرید بہت عبادت وریاضت کرتا تھا، مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا شیخ نے بہت سے وظائف تبدیل کئے اور تدبیریں اختیار کیں، لیکن اس کے باطنی حالات درست ہوتے نظر نہ آئے، پھر ایک تدبیر کی جو جاہ اور ظاہری عزت کے خلاف تھی۔ وہ یہ کام نہ کرسکا، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ طالب جاہ تھا، یہی طلب جاہ اس کے راستہ کی سنگ گراں بن گئی تھی۔

حضرت نے فرمایا کہ حب جاہ کے علاج کیلئے بزرگان دین نے اپنے نفس کے خلاف بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: جاہ کی تحصیل اس قدر کہ لوگوں کے ظلم سے بچ جائے جائز ہے، مگر مقصود دینی نہیں۔ اور اس درجہ سے زائد ہو تو دین کیلئے مضر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں یہ دعاء سکھائی گئی ہے۔

اللّٰھم اجعل فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا۔

یا اللہ مجھے میری نظروں میں حقیر اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنادے۔ تو یہ دعاء طلب جاہ کی دعاء ہے، مگر حدیث میں صرف دعاء پر اکتفاء کیا گیا ہے اس کی تفصیل کیلئے کوئی تدبیر نہیں بتلائی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہ دراصل محض خداداد ہوتا ہے تدبیروں سے حاصل نہیں ہوتا۔

حب جاہ کا غیبی علاج اور فائدہ کب حاصل ہوتا ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ خیر چاہتے ہیں اور مجاہدہ اختیار یہ سے اس کو قاصر و عاجز دیکھتے ہیں تو ایسے اسباب غیب سے پیدا فرما دیتے ہیں جس سے اس کے امراض نفسانیہ حب جاہ وغیرہ کا علاج ہوتا ہے مثلاً اسپر کوئی مرض مسلط ہوجاتا ہے یا کوئی عدو (دشمن) مسلط ہوجاتا ہے جو اس کو ایذائیں خصوصی بدنامی کی ایذاء پہنچاتا ہے جس کی روایت کو کوئی غلط سمجھتا ہے تو دوسرا صحیح سمجھتا ہے اور اس طرح سے وہ رسوا ہوجاتا ہے جو اول نفس کو بے حد ناگوار ہوتا ہے، مگر جب وہ صبر و رضا اختیار کرتا ہے تو پھر اس میں ایسی قوت تحمل کی ہوجاتی ہے کہ نہایت ہمت کے ساتھ یہ کہنے لگتا ہے ؎

ساقیا برخیز در دہ جام را
خاک برسر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

پھر مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ کے موافق اس کو قبول عام وعزت نصیب فرماتے ہیں جس میں اس کو ناز نہیں ہوتا۔ جس قدر رفعت بڑھتی جاتی ہے نیاز میں ترقی ہوتی جاتی ہے، بس جاہ عظیم میسر ہوتی ہے اور جاہ پسندی فنا ہوجاتی ہے۔

شان کیا چیز ہے دو دن بعد بھنگی چمار بھی مٹی ہوں گے اور میں بھی

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: کہ ایک بار مجھ سے بھائی اکبر علی نے کہا کہ اب تم بڑے آدمی سمجھے جاتے ہو معمولی آدمی نہیں رہے۔ کم سے کم سکینڈ کلاس میں سفر کیا کرو۔ میں نے کہا

کیا کروں میری طبیعت کے خلاف ہے۔ میں ریل میں گنواروں اور بھنگی چماروں کے ساتھ بیٹھتا ہوں شان کیا چیز ہے۔ دو دن کے بعد بھنگی چمار بھی مٹی ہوں گے اور میں بھی۔

لوگوں میں عزت اور فخر کیلئے اچھا کپڑا پہننا جائز ہے یا نہیں

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: کہ اچھے کپڑے وغیرہ پہننا اگر تحصیل جاہ کیلئے ہے تو ناجائز ہے، اور اسراف میں داخل ہے، اور اگر دفع ذلت کیلئے ہے تو مطلوب شرعی ہے اور اسراف میں داخل نہیں، ایک بار فرمایا: کہ ایک شخص کیلئے پچاس روپیہ گز کا کپڑا پہننا جائز ہے یعنی جس کو گنجائش ہو اگر نیت ریاء وتفاخر کی نہ ہو اور دوسرے کیلئے پانچ آنہ گز کا بھی ناجائز ہے یعنی جس کو گنجائش نہ ہو یا نیت ریاء وتفاخر کی ہو۔

ہندوستان میں اسلام تجار اور صوفیہ سے پھیلا ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: تجربہ شاید ہے کہ دنیا میں اسلام مباحثوں اور تحقیقی مجلسوں سے نہیں پھیلا بلکہ عمل اور اطاعت سے پھیلا ہے۔ ایک انگریز نے لکھا ہے ہندوستان میں اسلام دو جماعتوں سے پھیلا ہے تجار، اور صوفیہ۔ اور فرمایا کہ حقیقت میں دین کی سب سے بڑی تبلیغ یہ ہے کہ اپنے حالات، معاملات، اخلاق کو درست کر لیا جائے اس کو دیکھ دیکھ کر لوگ خود بخود مسلمان اور نیک ہو جاویں گے۔

آج ہر شخص کو عہدہ کی ہوس ہے

ہر شخص کی اصلی خواہش یہ ہے کہ مجھے عہدہ مل جائے، ہمارے معاشرے اور شہر میں کس قسم کی بداخلاقی، فساد و فتنہ اور گمراہی کا ماحول ہے اس سے مجھے کوئی لینا دینا نہیں، ماحول خراب رہے یا اچھا مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، میرا مطلب اور منزل کرسی اور حکومت ہے، شہر اور گاؤں کی حکومت کی لگام میرے ہاتھ میں رہے، اور سارے شرور وفتن چلتے ہیں تو چلتے رہیں، مگر کاروبار شہر

میری سرپرستی میں رہے، گناہ کریں لوگ یا نیکی، ظلم کریں یا انصاف، مگر تمام سرگرمیاں میرے زیر سایہ ہوں، آج معاشرہ کا یہی مزاج بن چکا ہے۔

ناظرین کرام غور کریں! کیا معاشرے کی اگر یہی تصویر رہی تو ہماری بستی اور محلے میں امن وامان رہے گا، سکون اور عزت ووقار کی زندگی کسی کو نصیب ہوگی، ہرگز نہیں، ایسا معاشرہ جہنم کدہ بن جائے گا، اور بن چکا ہے، ایک مسلمان اور سمجھدار انسان کو سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، کیا ہم لوگ راہ حق سے بھٹک نہیں گئے ہیں، کیا ہم ہدایت کی منزل سے دور نہیں جا پڑے ہیں، بات اصل یہ ہے کہ ہم لوگوں نے دین بیزاری، خدا بیزاری، اور مذہب بیزاری کا دنیا کی محبت و پرستش میں آکر ایسا منحوس ماحول تیار کرلیا ہے کہ خدا پر سے یقین اٹھ چکا ہے، دین اسلام پر سے اعتماد ختم ہو چکا ہے، ہم خود تو ہیں ہی اس گمراہی کی دلدل میں گرے ہوئے، اپنی اولاد اور نسلوں کو بھی اسی میں مجرمانہ غفلت کے ساتھ ڈھکیلتے جارہے ہیں، اس لئے اپنی اور بچوں کی اصلاح کے لئے اس سمت میں فکرمند ہونے کی ضرورت ہے، اور سدھار اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ خدا کا یقین پیدا نہ کیا جائے، اس کے بغیر ہم بے ایمانوں، ظالموں، اور گمراہوں کو ہدایت یافتہ اور اپنا اور اپنی قوم کا ہمدرد نہیں بنا سکتے، ایمان وانسانیت کی منزل تک پہنچنے کے لیے اپنے اور اپنی قوم کے اندر سے عزت وعہدہ کی محبت اور دولت کی ہوس کو نکال کر ایثار، قربانی، اور دوسرے کے لئے گھلنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔

آج کے مسلمان عہدہ کو فخر وعزت اور سیاست وتجارت کی نیت سے اختیار کرتے ہیں، جب کہ صحابہ کرام عہدہ سے بھاگ گتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی زندگی اٹھا کر دیکھیں، آپ کس طرح عہدہ سے کنارہ کشی اختیار فرماتے ہیں، عہدہ کیلئے مجبور کیا جاتا اور اصرار کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں عہدہ کا بوجھ مجھ سے نہیں اٹھے گا، اور جب آپ کو بالاصرار عہدہ پر فائز کر دیا جاتا ہے تو

جب تک اس پر فائز رہتے ہیں اسے ذمہ داری اور بوجھ محسوس کرتے ہیں، اور جب سبکدوش ہوتے ہیں تو بہت سکون محسوس کرتے ہیں، حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالی عنہ جنھوں نے ایک سو پچیس جنگیں لڑیں، اور ہر ایک میں فاتح رہے، اور آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے سپہ سالار بنائے گئے تھے، ملک شام میں ایک محاذ جنگ پر مدینہ سے جیسے ہی معزولی کا ایک چھوٹا سا پرچہ آتا ہے، خالد برخاست کیے جاتے ہیں، اور ان کی جگہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مقرر کر دیے جاتے ہیں، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ذرا بھی ملال نہیں ہوتا، بڑی کشادہ دلی سے فرماتے ہیں اگر میں یہ عمل اللہ کی عبادت سمجھ کر کرتا تھا تو اب بھی انجام دوں گا، اور اگر حضرت عمر کے لئے کرتا تھا تو کنارہ کش ہو جاؤں گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ آپ جس طرح سپہ سالاری کے عہد میں مصروف جہاد رہے، معزولی کے بعد بھی ایک سپاہی کی طرح پورے ذوق وشوق کے ساتھ میدان کارزار میں مشغول رہے، اور آپ کے عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیا ہم میں کوئی خالد سیف اللہ ہے؟ ہر گز نہیں، پھر کیوں ہم اپنے بڑوں کی اتباع کرنے سے دور بھاگتے ہیں؟ اس لئے کہ ہماری نیت ابتداء سے ہی فاسد اور غلط ہے، اور جس چیز کی ابتداء غلط ہو اس کی انتہاء بھی غلط ہی ہوگی، خدا ہمیں فساد نیت سے محفوظ فرمائے۔

مردان خدا خود کو پوشیدہ رکھتے ہیں

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ مردان خود کو پوشیدہ رکھتے ہیں، اور حق تعالی انہیں ظاہر کر دیتا ہے، زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ: خواجہ ابوالحسن نوری اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے بھرے، مناجات میں کہا کرتے تھے کہ، الٰہی! مجھے اپنے شہروں میں اپنے بندوں کے درمیان چھپالے، انہوں نے ایک ہاتف سے آواز سنی کہ اے ابوالحسن۔ الحق لایسترہ شئ یعنی حق کو کوئی چیز نہیں چھپاتی، اور حق ہرگز پوشیدہ نہیں رہتا، اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ خطۂ ناگور میں ایک بزرگ تھے، انہیں حمید الدین سوالیؒ کہتے تھے، علیہ الرحمۃ والغفر ان ان سے سوال کیا گیا کہ

مشائخ میں سے بعض انتقال کر جاتے ہیں، اور ان کے انتقال کے بعد کوئی ان کا نام بھی نہیں لیتا، اور بعض جب انتقال کر جاتے ہیں تو ان کا نام اور شہرت دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جاتی ہے، ان کا یہ فرق کیسے ہوتا ہے، جواب دیا کہ جو زندگی میں اپنے اشتہار کی کوشش کرتے ہیں، وفات کے بعد ان کا نام اور شہرت مٹ جاتی ہے، اور جو زندگی کے زمانے میں خود کو پوشیدہ رکھتے ہیں، وفات کے بعد ان کا نام اور شہرت سارے جہان میں پہنچ جاتے ہیں۔ (فوائد الفواد، ص/ ۵۶-۱۵۵)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ پیشوں کو حاصل کرنے اور نوکری سے تعلق رکھنے میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آخر میں سلامتی رہے۔

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی گئی کہ گزشتہ ایام میں حمید نامی ایک شخص تھے۔ وہ شروع زمانے میں دہلی میں تغرل کے نوکر تھے، جو آخر میں لکھنوتی کا بادشاہ بن بیٹھا تھا، القصہ یہ حمید اس تغرل کے نوکر تھے اور ہمیشہ اس کی خدمت میں رہتے تھے۔

چنانچہ ایک روز اس کے سامنے کھڑے تھے کہ ایک شکل نظر آئی جو کہتی تھی، اے حمید! تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے، یہ کہا اور غائب ہوگئی، خواجہ حمید حیران رہ گئے کہ کیا تھا؟ پھر ایک دفعہ اور اس کے سامنے کھڑے تھے کہ وہی صورت نظر آئی جو کہتی تھی کہ اے حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے؟ حمید بڑے حیران ہوئے، یہاں تک کہ تیسری بار پھر اسی صورت کو دیکھا کہ وہی بات کہتی ہے کہ اے خواجہ حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے؟ اب حمید بولے کہ کیوں نہ کھڑا ہوں، میں ان کا نوکر ہوں اور یہ میرا آقا ہے، مجھے تنخواہ دیتا ہے، میں کھڑا کیسے نہ رہوں؟ یہ صورت بولی کہ تو عالم ہے اور یہ جاہل، تو آزاد ہے اور یہ غلام، تو نیک ہے اور یہ بدکار، یہ کہا اور غائب ہوگئی، جب حمید نے یہ بات دیکھی تو اپنے آقا کے پاس گئے اور کہا کہ اگر میرے ذمے کچھ حساب ہو یا لینا دینا ہوں تو اس کو چکا لیجئے، کیونکہ میں آپ کی نوکری نہیں کرنی چاہتا، مالک نے کہا، کہ تم یہ کیا باتیں کر رہے ہو، شاید دماغ چل گیا ہے؟ خواجہ حمید بولے نہیں میں آپ کے پاس نہیں

رہنا چاہتا، مجھے اس سے روکا جا رہا ہے، جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر یہاں تک پہنچے تو بندے نے عرض داشت کی کہ وہ صورت شاید مردان غیب میں سے کسی کی رہی ہو؟ فرمایا کہ نہیں جس وقت آدمی کا باطن کدورتوں سے صاف ہوجاتا ہےم، تو ایسی چیزیں بہت دیکھتا ہے، ایسے اوصاف ہر آدمی میں بہت ہوتے ہیں، لیکن آدمی کے برے فعلوں کی وجہ سے اس پر ظاہر نہیں ہوتے ہیں، جب باطن کی پوری صفائی ہوجاتی ہے تو اس طرح کی بہت سی چیزیں دیکھتا ہے۔ (فوائد الفواد، ص/۱۷۴-۴۷۲)

اسی موقع پر خواجہ ادام اللہ برکاتہ نے زبان مبارک سے فرمایا: کہ اس راہ میں غلامی اور خواجگی درمیان میں نہیں ہے، جو بھی عالم محبت میں کھرا اترتا ہے اس کا کام بن جاتا ہے، اس گفتگو کے دوران فرمایا کہ غزنین میں ایک پیر تھے، ان کا ایک غلام تھا، زیرک نام اور یہ زیرک حد درجہ صدق وصلاحیت رکھتا تھا، جب ان بزرگوار پیر کا آخر وقت آیا تو مریدوں نے پوچھا کہ آپ کی جگہ کون بیٹھے گا؟ بولے زیرک، اور ان پیر کے چار بیٹے تھے، ہوشیار اور صاحب اختیار، زیرک نے عرض کیا کہ اے خواجہ مجھے آپ کے بیٹے چھوڑیں گے تھوڑی کہ آپ کی جگہ بیٹھوں، وہ ضرور مجھ سے جھگڑا کریں گے، پیر بولے تو خاطر جمع رکھ، اگر انہوں نے تیرے ساتھ دشمنی کی تو میں ان کے شر کو تجھ سے دور کروں گا، الغرض جب سب پیر رحمت حق کے جوار میں پہنچ گئے تو زیرک خواجہ کی جگہ پر بیٹھا، پیر کے بیٹوں نے خصومت شروع کی کہ تو ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہے، کیا مجال ہے کہ ہمارے باپ کی جگہ پر بیٹھے، جب ان کا عناد بڑھا تو زیرک پیر کے روضے پر آیا اور عرض کیا کہ خواجہ آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے بیٹے تیری مزاحمت کریں گے تو میں ان کے شر کو تجھ سے دفع کروں گا، اب وہ مجھے ایذاء پہنچانے کے درپے ہیں، آپ کو اپنا وعدہ وفا کرنا چاہیے، یہ عرض کیا اور اپنی جگہ واپس آ گیا، اس کے چند ہی روز بعد کافر غزنین کے نواح پر حملہ آور ہوئے، مخلوق ان سے لڑنے باہر نکلی، پیر کے چاروں بیٹے بھی ان کے ساتھ نکلے، اور جنگ میں شریک ہوئے، چاروں نے شہادت پائی، اور وہ جگہ بلا مزاحمت زیرک کے لئے مقرر ہوگئی۔

ملیح مذکور کو اس کے مرید ہونے کے بعد دو رکعت نماز کا حکم ہوا، اس سلسلے میں زبان مبارک سے فرمایا کہ اس دوگانے کی کیا نیت کرنی چاہئے؟ پھر فرمایا کہ نفی ماسوا اللہ کے لیے۔

فائدہ: یہ واقعہ کسی بھی مرتبہ پر فائز ہونے کیلئے بہترین سبق ہے۔

حضرت امیر حسن علاء سجزی فرماتے ہیں رجب کے مبارک مہینے کی چھٹی تاریخ منگل کو ہاتھ چومنے کی کی سعادت میسر آئی، قاضی قطب الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کے علم اور دیانت کا ذکر آیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ وہ ملتان میں ہوئے ہیں، اور ان کا علیحدہ مدرسہ تھا، شیخ بہاء الدین زکریا علیہ الرحمۃ روزانہ صبح وہاں حاضر ہوتے، اور نماز وہیں ادا کرتے، ایک روز مولانا قطب الدین نے ان سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سے آ کر کیوں میری اقتدا کرتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ جس نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی وہ ایسا ہے جیسے اس نے کسی نبی مرسل کے پیچھے نماز ادا کی، اس کے بعد خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے فرمایا: کہ میں نے یہ بھی سنا ہے اور ذمہ داری روایت کرنے والے پر ہے کہ ایک روز شیخ بہاء الدین زکریا وہاں حاضر ہوئے، قاضی قطب الدین صبح کی نماز میں امامت کر رہے تھے، ایک رکعت پڑھ چکے تھے۔ شیخ دوسری رکعت میں پہنچے اور شریک ہو گئے، جب قاضی قطب الدین التحیات میں بیٹھے تو اس سے پہلے کہ سلام پھیریں، شیخ بہاء الدین کھڑے ہو گئے، اور اپنی نماز پوری کی، جب نماز سے فارغ ہو گئے تو قاضی قطب الدین نے شیخ سے کہا کہ نماز کے سلام سے پہلے کیوں کھڑے ہو گئے، ممکن تھا کہ امام سے سہو ہوا ہوتا، اور وہ سجدہ سہو کرنا چاہتا، جب آپ سلام سے پہلے ہی کھڑے ہو گئے تو سجدہ سہو نہیں کر سکتے تھے، شیخ نے فرمایا کہ اگر کسی کو نور باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام سے کوئی سہو نہیں ہوا ہے تو اس کا کھڑا ہو جانا جائز ہے، قاضی قطب الدین بولے کہ ہر وہ نور جو شرع کے احکام کے موافق نہ ہو وہ ظلمت (اندھیرا) ہے القصہ اس طرح کہا کہ اس کے بعد شیخ وہاں حاضر نہ ہوئے۔ (فوائد الفواد، ص ۲۲-۵۲۳)

پھر شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز کی حکایت آئی، فرمایا کہ جب وہ بدایوں پہنچے تو کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے، شاید ایک روز کسی کام سے قاضی کمال الدین جعفری کے ہاں جو بدایوں کے حاکم تھے، تشریف لائے، نوکر چاکر جو دروازے کے سامنے بیٹھے تھے، بولے! قاضی صاحب اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں، شیخ مسکرائے، اور یہ بات کہی کہ، قاضی کو نماز پڑھنے آتی ہے؟ الغرض جب واپس چلے گئے تو یہ خبر قاضی صاحب کو پہنچائی گئی، شیخ نے ایسی بات کہی ہے، دوسرے روز قاضی کمال الدین شیخ کی خدمت میں آئے، اور معذرت کرنے لگے، اور یہ بات بھی پوچھی کہ آپ نے کیسے فرمادیا کہ قاضی نماز پڑھنی جانتا بھی ہے؟ میں نے تو نماز اور اس کے احکام کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں، شیخ نے فرمایا کہ ہاں، علماء کی نماز اور ہے، اور فقیروں کی نماز اور، قاضی نے پوچھا کیا فقراء رکوع اور سجدے دوسری طرح کرتے ہیں، یا قرآن کسی اور طریقے سے پڑھتے ہیں، شیخ نے فرمایا کہ نہیں، علماء کی نماز اس طرح ہوتی ہے کہ کعبے پر نظر رکھتے ہیں، اور پھر نماز پڑھتے ہیں، اور اگر کعبہ نظر میں نہیں ہوتا تو چہرہ اس کی طرف کر لیتے ہیں، اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں سمت معلوم نہ ہو سکے تو اندازہ کر لیتے ہیں۔

علماء کا قبلہ ان تین چیزوں سے باہر نہیں ہے، لیکن فقراء جب تک عرش کو نہیں دیکھ لیتے، نماز نہیں پڑھتے، قاضی کمال الدین کو اگرچہ یہ بات ناگوار گزری، مگر کچھ بولے نہیں، وہاں سے واپس آ گئے، جب رات ہوئی تو قاضی کو خواب میں دکھایا گیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز عرش پر مصلے بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں، دوسرے دن یہ دونوں بزرگ ایک مجمع میں موجود تھے، شیخ جلال الدین اس طرح گویا ہوئے کہ فلانے علماء کا کام اور مرتبہ تو معلوم ہے کہ ان کی ہمت اور پہنچ درس دینے تک ہے، اور بہت سے بہت یہ چاہتے ہیں کہ مدرس بن جائیں، یا قاضی جج ہو جائیں، یا صدر ہو جائیں، ان کا مرتبہ اس سے اونچا نہیں ہوتا، لیکن درویشوں کے مرتبے بہت ہیں، ان میں سے پہلا درجہ تو وہی

ہے، جو قاضی کو گزشتہ رات دکھایا گیا، قاضی کمال الدین نے جب یہ بات سنی تو اٹھے اور سامنے آ کر بڑی معذرت کی، اور ان سے معافی چاہیں، اور اپنے لڑکے کو جس کا لقب برہان الدین تھا، شیخ کے قدموں میں ڈال دیا، اور مرید کرایا، اور شیخ سے کلاہ حاصل کی۔ (فوائد الفواد، ص/ 524-25)

قاضی نہ بنو کچھ اور بنو

شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے مناقب اور ان کے اعتقاد کی خوبی کو بیان فرماتے ہوئے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ ایک روز میں ان کی خدمت میں بیٹھا تھا، اور اس وقت میرے سر پر بال تھے، میں ان سے مخاطب ہوا تو عرض کی کہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اس نیت سے پڑھیئے کہ میں قاضی (جج) بن جاؤں، شیخ نجیب الدینؒ خاموش ہو گئے، مجھے خیال ہوا کہ شاید سنا نہیں، دوسری بار عرض کیا کہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اس مقصد سے پڑھیئے کہ میں کسی جگہ قاضی بن جاؤں، پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ تیسری مرتبہ عرض کیا تو ہنسے، اور بولے تم قاضی نہ بنو، تم کچھ اور چیز بنو، الغرض خواجہ ذکر اللہ بالخیر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ انہیں اس کام سے اس قدر نفرت تھی کہ فاتحہ بھی نہ پڑھی۔ (فوائد افواد، ص/ 194)

خواجہ نجب الدین متوکلؒ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے تیسرے بھائی ہیں، آپ ابدالوں میں سے ہیں، اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے معاصر اور ہم صحبت ہیں۔



سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر حرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

فرمایا: سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ و دیگر جنات و شیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پریشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور ہوتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہوجاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سوسو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلا دیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لاسکتا۔

﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

فرمایا: سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہو کر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلا دیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکر ان تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساوی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار

فرمایا: دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالیٰ کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ

جمائے، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرما لیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ (سورہ الاعراف، آیت: 201)

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔



شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے باجازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبٹیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالا آبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے
اور درود ونعت ختم الانبیاء کیو اسطے

اور سب اصحاب وآل مجتبیٰ کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے کے واسطے

بالخصوص ان اولیائے باصفا کے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے

حاجی امداد اللہ ذوالعطا کے واسطے
حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے

شیخ عبدالباری شہِ بے ریا کے واسطے
شاہ عبدالہادی پیر ہدے کے واسطے

شاہ عضد الدین عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
بوسعید اسد اہل ورا کے واسطے
نشہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے
عبد قدوس شہ صدق وصفا کیواسطے
اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے
شیخ احمد عارفِ صاحب عطاء کیواسطے
احمد عبد الحق شہ ملکِ بقا کیواسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علا الدین صابر بارضا کیواسطے
شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلا کیواسطے
شہ معین الدین حبیب کبریاء کے واسطے
خواجہ عثمان با شرم وحیا کے واسطے
خواجۂ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بو یوسف شہ شاہ وگدا کیواسطے
بو محمد محترم شاہِ ولا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابواسحاق شامی خوش ادا کیواسطے

خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کیواسطے

بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے

شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے

شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے

شیخ حسن بصری امام اولیاء کیواسطے

ہا دی عالم علی شیرِ خدا کیواسطے

سرورِ عالم محمد مصطفٰے کے واسطے

یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے

یاحق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے

یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے

کررہا ئی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے

~~کون ہے تیرے سوا مجھ بےنوا کیواسطے~~

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیو اسطے

ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کیواسطے

بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے

اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے

☆☆☆☆☆

معمولات

صبح و شام

معمولات اور ان کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کو ان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں۔ راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت وعاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

﴿طبقۂ اولیٰ﴾

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے ۔تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کو شروع فرماتے:

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ________ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْه ________ 100 بار

درود شریف۔ ________ 100 بار

لَا اِلٰهَ اِلَّا الله۔ ________ 200 بار

اِلَّا الله۔ ________ 400, بار

اَللّٰهُ الله۔ ________ 600, بار

اَللّٰهُ۔ ________ 100 بار

تلاوت کلام پاک کم از کم ایک پارہ مع سورۂ یسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الامتؒ۔ ایک منزل

شام کے معمولات

استغفار۔ ________ 100، بار

لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

طبقۂ ثانیہ صبح کے معمولات

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ________ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

اَللہُ اللہ۔ ________ 100، بار

اللہ۔ ________ 100، بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت، زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ________ ایک منزل

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

شام کے معمولات

استغفار۔ ________ 100، بار

لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________ 100، بار

درود شریف۔ ________ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

(نوٹ)

طبقۂ اولیٰ کیلئے حسب طاقت صبح میں

سورۂ اخلاص۔ ________________ 100، بار

تیسرا کلمہ، سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَر۔ ________ 100، بار

طبقۂ اخیر کیلئے صبح کے معمولات

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________________ 33، بار

أَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ ________________ 33، بار

أَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ ________ 33، بار

قرآن شریف کی تلاوت کم از کم دس آیتیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

شام کے معمولات

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________________ 33، بار

استغفار۔ ________________ 33، بار

درود شریف۔ ________________ 33، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد وتر سے قبل دو یا چار رکعت تہجد ہر طبقہ کیلئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

{مؤلف کا تعارف}

نام : محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔

ولادت و پیدائش : مقام وپوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا)

ابتدائی تعلیم : ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔

عربی اول : جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)

عربی دوم، سوم : مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)

اعلیٰ تعلیم : عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی)

فراغت : سنہ ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات...

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔



مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔

۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔

۳۔ نکاح اور طلاق۔

۴۔ حج گائیڈ۔

۵۔ چالیس حدیثیں۔

۶۔ جادو ٹونا، اور کہانت کا حکم۔

۷۔ دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔

۸۔ وعظ وادب کا خزانہ۔

۹۔ عظمت قرآن۔

۱۰۔ مسائل حاضرہ۔

۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔

۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ۔

۱۳۔ چراغ اصلاح۔

۱۴۔ تکبر ایک وبال ہے۔

۱۵۔ تنقید ایک بُری عادت ہے۔

۱۶۔ جنت کے حسین محلات اور لذیذ ونفیس نعمتیں۔

۱۷۔ تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔ رمضان المبارک کو نفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔

۱۹۔ قیامت کی آخری علامتیں۔

۲۰ تصوف کی اہمیت وضرورت۔

۲۱۔ غیبت ایک گندہ عمل ہے۔

۲۲۔ اصلاح کے قیمتی موتی۔

۲۳۔ اصلاح کے اہم نسخے۔

۲۴۔ اخلاص اور اخلاق۔

۲۵۔ اصلاحی واقعات جلد، اوّل۔

۲۶۔ اصلاحی واقعات جلد دوم۔

۲۷۔ اصلاحی واقعات جلد سوم۔

۲۸۔ دعاء کا صحیح طریقہ۔

۲۹۔ اصلاح کا مبارک سفر۔

۳۰۔ قربانی کی شرعی حیثیت۔

۳۱۔ پنج وقتہ نماز اور ان کے ضروری مسائل۔

۳۲۔ محرم الحرام تاریخ وشریعت کے آئینے میں۔

۳۳۔ عہدہ ومنصب کا حریص، رسوائی اور وبال کا طالب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کر دیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں، احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آ جا۔ اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں، تو بالکل صاف وشفاف، میں بالکل نجس، پلید، ناپاک، دریا نے جواب دیا تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا، تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی، ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس، پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہو کر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کر دے گی۔ (اشرف السوانح، ج/2، صفحہ/51)

نوٹ:

اس مضمون کو طباعت کے وقت بیک فرنٹ پر ڈالیں